

اللہ کی پیدائش میں تبدیلی

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ

لَعَنَ اللَّهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ
وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيَّرَاتِ خَلَقَ اللَّهُ مَا لَيْ لَا أَلْعَنُ مَنْ
لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ -

[البخاری: ۵۹۴۸، مسلم: ۵۵۷۳]

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر، اور چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں پر اور خوب صورتی پیدا کرنے کے لیے سامنے کے دانتوں کے درمیان کشادگی کرنے والیوں پر، جو اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرتی ہیں، لعنت بھیجی ہے۔ پھر میں کیوں نہ ان پر لعنت بھیجوں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی ملعون ہیں۔“

اہل جہنم کی دو قسمیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ، مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ، وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا» [مسلم: ۲۱۲۸ و ۱۲۵]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل جہنم کی دو قسمیں ایسی ہیں جنہیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا: ایک وہ لوگ ہیں جن کے پاس گایوں کے دموں کی طرح کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے اور دوسری وہ عورتیں ہیں جو لباس تو پہنے ہوئے ہوں گی مگر وہ اس لباس میں نگلی نظر آئیں گی، وہ مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی ہوں گی، ان کے سر جھکے ہوئے بختی اونٹوں کے کوبانوں کی طرح ہوں گے، وہ جنت میں نہ جائیں گی، اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی۔ حالاں کہ اس کی خوشبو اتنی اور اتنی مسافت تک پہنچتی ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ وہ لوگ صبح و شام اللہ تعالیٰ کے غصے میں رہتے ہیں۔ ”کاسیات عاریات“ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنی خوب صورتی دکھانے کے لیے اپنے بعض بدن کو لباس کے ساتھ چھپائے ہوں گی اور بعض کو نکال کر دکھائے ہوئے ہوں گی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اتنا پتلا اور باریک لباس پہنے ہوں گی کہ اس سے ان کا بدن دکھائی دے رہا ہوگا۔

”مائلات“ کا مطلب یہ ہے کہ ناز و نخرہ سے اکڑا کر چلتی ہوں گی یا بدکار عورتوں کی چال کی طرح جھکی ہوئی اور مائل ہونے والی ہوں گی۔

”ممیلات“ یعنی دوسروں کو اس جھکاؤ کی تعلیم دینے والی ہوں گے، یا اپنے کندھوں کو جھکائے ہوئے ہوں گی۔

فہرست

1	اللہ کی پیدائش میں تبدیلی	جواہر پارے ❁
2	اہل جہنم کی دو قسمیں	کلمۂ طیبہ ❁
5	”نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے“ (حافظ احمد شاہ)	اداریہ ❁
7	احکام و مسائل (ترجمہ: عبدالصمد ریاوی)	احکام و مسائل ❁
11	تفسیر باللغة ③ (آخری) (حافظ محمد شہباز حسن)	علوم تفسیر ❁
23	مدد صرف اللہ مشکل کشا سے ② (مولانا عبدالرحمن ضیاء)	عقائد و ایمانیات ❁
28	پیکر صدق و صفا (جناب عطاء اللہ عطاء)	بیاد رفتگان ❁
31	امریکی جنگ جمہوریت کے لیے ہے (عطا محمد جنوے)	نقطۂ نظر ❁
33	نام نہاد دہشت گردی (محمد سلیم چنیوٹی)	عالم اسلام ❁
35	بہاروں میں نہاں روزِ خزاں ہے (عبدالرحمن عاجز)	شعر و ادب ❁

تحفہ سلام وغیرہ

﴿وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ

مِنْهَا أَوْ رَدُّوْهَا ط [النساء: ۸۶]

”جب تمہیں کوئی تحفہ دیا جائے تو اس سے

اچھا تحفہ اس کو دو، یا اسی کو لوٹا دو۔“

بچوں کو بھی سلام کہیں

عن انس رضي الله عنه أَنَّهُ كَانَ يَمْشِي
مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرَّ
بَصَبِيَّانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمَا -

[مسلم: ۲۱۶۸ / ۱۴]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا تو آپ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام پیش فرمایا۔“

2 یکم 8 مارچ 2007ء..... (292)..... 12 صفر المظفر 1427ھ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ اکثر ان کلمات سے دعا کیا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ! رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ»

[مسلم: ۲۶۹۰ و ۲۶]

”اے اللہ ہمارے! ہمیں دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں نیکی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔“

”نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے“

حافظ احمد شاہ

اداریہ

نبی اکرم ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد جس جس فرد نے جس جس قدر خود کے لیے ہدایت کو ضروری جانا وہ اتنی ہی جلدی ایمان لے آیا اور اسی قدر اس نے اپنے دل کے دروازے رشد و ہدایت کے لیے وا کر دیے۔ کیوں کہ طلب علم و ہنر کا اصول ہی یہ ہے کہ سیکھنا وہی ہے جو سمجھے کہ اسے نہیں آتا اور اس نے سیکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیشہ وارانہ تربیت ہو یا علم و آگہی کا سفر، حاصل اسے ہی ہوتا ہے جس میں آگے بڑھنے اور کچھ کرنے کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد بلاشبہ ہزاروں تھی لیکن ایمان و ایثار کے جس مقام رفیع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فائز ہوئے وہ ان کی طلب اور جذبے کا مظہر تھا۔ ایسے ہی کثرتِ روایت کا اعزاز اگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا تو وہ ان کی لگن اور طلب علم کا شمر تھا۔ امتحان میں اچھی پوزیشن اور ہنر میں امتیازی مہارت شب و روز کی تنگ و دو اور طلب و جستجو ہی سے ملتی ہے۔ امت میں درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کی مجالس اس لیے منعقد کی جاتی ہیں کہ اس سے طلب خواہیدہ بیدار ہوتی اور شوقِ عمل کو ہمیز لگتی ہے، اسی لیے سورۃ الذاریات کی آیت نمبر ۵۵ میں فرمایا کہ ”آپ نصیحت کیجئے نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔“

مذکورہ بالا سطور نوکِ قلم پر اس لیے آگئیں کہ گزشتہ ماہ ۱۷ فروری کو کوئٹہ کی ایک عدالت میں خود کش دھماکہ ہوا جس میں ۱۶..... سولہ..... بے گناہ کلمہ گو مسلمان جان سے ہار گئے انا للہ وانا الیہ راجعون، اس کے بعد سے اب تک کئی اور دھماکے بھی ہو چکے ہیں لیکن کوئٹہ کے اس عدالتی موقع پر جناب صدر نے فیصل آباد کی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”اسلام کے ٹھیکیدار ہمیں اور زیادہ مسلمان بنانے کی کوشش نہ کریں۔“ [نوائے وقت، ۸ فروری ۲۰۰۷ء]

یہ بیان ہم نے کئی لحاظ سے ان کی شان اور مقام کے اعتبار سے فروتر جانا:

①..... خاندانی مسلمان بلکہ سادات خاندان سے مشرف ہونے، وطن عزیز کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہونے کے ناطے سے ان سے زیادہ کون جانتا ہوگا کہ اسلام کسی مجرم کو بھی از خود سزا دینے کی اجازت نہیں دیتا چہ جائے کہ کسی بے گناہ پر ہاتھ اٹھانے کا موقع دے۔ اس لیے حدیث پاک کی رو سے جب کوئی مسلمان کسی کو از خود قتل کرتا ہے تو اس وقت اس میں ایمان نہیں ہوتا۔

②..... اس حادثہ فاجعہ کو انھیں فوراً مسلمانوں کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے تھا جب کہ بلوچستان میں ماضی میں ہونے والی دہشت گردی کے واقعات کا کھرا ایک غیر مسلم پڑوسی ملک تک پہنچتا دکھائی دیتا رہا تھا۔ علاوہ ازیں طاغوت کی وطن عزیز کو غیر مستحکم کرنے اور اس کی مسلم کش پالیسیاں اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہیں اس کے ملوث ہونے کے امکان کی بجائے صرف مسلمانوں کو معتب و ٹھہرانا یا ان کی طرف نسبت کرنا ایک سیدزادے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے والا قدر صدر کی شان اور مرتبے کے مطابق نہیں۔

③..... صدر گرامی جو عسا کر پاکستان کے والا تبار کمانڈر انچیف بھی ہیں اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے مختلف مراحل کے زیر تربیت

جوانوں کو اپنی صلاحیت بڑھانے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ ”ہمیں زیادہ مسلمان نہ بنائیں“ تعجب خیز ہے جب کہ قرآن کریم اور اس کی عملی تشریح سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تا قیامت اس معنی میں رشد و ہدایت کا مینار ہیں کہ آنے والے مسلمان زیادہ سے زیادہ مسلمان بننے کی کوشش کرتے رہیں۔ ہمیں انتظار رہا کہ اس بیان پر شاید سرکار کی طرف سے یہ وضاحت آجائے کہ صدر گرامی کی تقریر کی رپورٹنگ ٹھیک سے نہیں ہوئی لیکن افسوس کہ ایسی وضاحت بھی کوئی نہ آئی۔

حکمرانی کے دروبام..... میلے..... تک خیف سی یہ آواز اگر پہنچ سکے تو گزارش ہے کہ اس تقریر کی صحیح رپورٹنگ جاری کر دی جائے تاکہ ریکارڈ تو درست رہ جائے۔

کسی سپر پاور کا نہیں صرف اللہ احکم الحاکمین کا حکم ہوگا

خالص ہندو نہ تہوار بسنت اٹھارہ جانوں کا خراج لے گئی۔ بسنت کی قباحت اور ہندوؤں سے مشابہت، پر لکھنے والوں نے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیے، واعظوں کے گلے خشک ہو گئے، لیکن نو دولتوں کے تمول اور معاشرتی تفوق کے خواہش مندوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رہی انھوں نے بسنت کو بزمِ خویشِ جشن بہاراں کا نام دے کر سند جواز حاصل کر لی تھی۔ حکمرانوں کے جشن بہاراں کے شوق کی تسکین ہوئی ہے یا نہیں، لیکن جن خاندانوں کے پھول سے بچے، جن ماؤں کے سپوت، بہنوں کے بھائی، بھائیوں کے مان اور باپوں کے بازو نذر بسنت ہو گئے ہیں ان کی بہار پر تو ایسی خزاں چھا گئی ہے جو برسوں بلکہ زندگی کے آخری سانس تک چھائی رہے گی۔ لیکن حیرانگی اس نظام، قانون اور حکومت بلکہ حکمرانوں پر! کہ جس فعلِ قبیح اور عملِ شنیع کا انھوں نے خود مرتکب ہونا چاہا اس کے لیے قانون کو موم کی ناک بنالیا اور جب اپنے چاؤ پورے ہو گئے تو وہ فعلِ عملِ جرم بن گیا۔ سوال یہ ہے کہ جو جانیں چلی گئیں ان کا خون کس کی گردن پر؟ وہ کس سے فریاد کریں؟ اور کس سے منصفی چاہیں؟ ہمارے علم اور خوش گمانی کی حد تک نہ صوبے کے حاکم اعلیٰ کا خاندانہ ان اللوں تللوں کا عادی ہے اور نہ ہی شہر کے کوتوال..... یعنی ناظم..... کا خاندان ان امور کو پسند کرتا تو درکنار ان سے یقیناً نفرت کرتا ہے۔ حیرانگی اور تعجب تو اس بات پر ہے کہ بیا کی چاہت یا اقتدار کا دھوم دھڑکا دل اس قدر سخت اور دماغ اس طرح ماؤف کر سکتا ہے کہ پتیا راضی کرنے کے لیے اٹھارہ جانوں کا خون ناحق سر لیتے ہوئے بھی ان پر کوئی کچکی طاری نہ ہوئی۔ جانوں کے اس ضیاع کو قتلِ عمد کہا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ یہ فتویٰ علمائے کرام دیں یا اس کے قانونی پہلو پر اہل قانون کوئی رائے زنی کریں لیکن خدا نخواستہ اگر یہ سارے مقتولین اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے خون کے قصاص کا اس جشن بہاراں کی اجازت دینے اور اہتمام کرنے والوں سے مطالبہ کر دیں تو پھر کیا بنے گا؟ اس قتلِ عمد کی چار سزائیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورہ نساء آیت نمبر ۹۳ میں بیان فرمائی ہیں، جہنم کی بیشکی، اللہ کا غضب، اللہ تعالیٰ کی لعنت اور بڑا عذاب۔ تو پھر اس عدالتِ عدل و انصاف میں آپ کیا جواب دیں گے؟ وہاں نہ کسی حاکم کی سفارش چلے گی اور نہ ہی کسی سپر پاور کا حکم! وہاں صرف اللہ احکم الحاکمین کا حکم ہوگا جس سے بڑا انصاف کرنے والا کوئی نہیں۔

یاد رکھیے جن کو راضی کرنے کے لیے ہم اتنے جتن کر رہے ہیں وہ کبھی راضی نہ ہوں گے اور اگر ہم رب رحیم و کریم کو راضی کرنے کی خاطر اس کے آگے جھک جائیں تو وہ ایک جبدے، ایک سسکی اور عرقِ انفعال کے چند قطرے سے راضی ہو جائے گا۔ دیکھیے اقبال کیا کہہ گیا ہے۔

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
پر تو نے دل آزرہ ہمارا نہ کیا
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

اللهم ارحم علی حالنا ولا تنظر الی سوء اعمالنا

الشیخ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن جبرین

ترجمہ: عبدالصمد ریا لوی

سوال: میری والدہ محترمہ کے خاوند جب فوت ہوئے تو وہ اس سے ناراض تھے۔ تو اب اس پر کیا لازم ہے؟

جواب: خاوند کا اپنی زوجہ پر بہت بڑا حق ہے۔ مثلاً: نیکی کے کاموں میں اس کی اطاعت کرنا اور اس کی مخالفت اور نشوز سے اجتناب۔ نیز وہ حالات جن سے وہ گزر رہی ہے ان کا اہتمام کرنا اور اس کے ساتھ احسان و سلوک رکھنا۔

شائد کہ تم کو اپنی والدہ کے ساتھ آئندہ کبھی نیکی کا موقع مل جائے کہ تم اس کے لیے دعا کر سکو، خیر اور بھلائی سے ان کا نام لے سکو اور حسب استطاعت اس کی طرف سے صدقہ کر سکو تو اس سے اس کو فائدہ پہنچے گا۔

اس کو اللہ تعالیٰ سے اپنے خاوند کے سلسلے میں صادر ہونے والی غلطیوں کی معافی اور مغفرت طلب کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری برائیوں سے تجاوز اور درگزر فرمائے۔ واللہ الوہوب

سوال: اگر کوئی شخص اپنی زرعی زمین وغیرہ (جو کئی ملین ریال کے قریب ہے) سے اپنے بھائی کے حق میں دست بردار ہو جائے اور اس کے لیے اس نے کاغذات دست برداری بھی مکمل کر دیئے ہوں اس میں دو گواہ بھی موجود ہیں مگر دست بردار ہونے والا شخص فوت ہو گیا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ دست برداری درست ہے مگر اس میں یہ شرط ہے کہ وہ

اس دست بردار ہونے والے شخص کی صحت و تندرستی میں بغیر کسی جبر و اکراہ کے خوش دلی سے ہو۔

جب اس نے دستخط کر دیے، مہر لگا دی، گواہ بنا دیے تو اب اس کے ورثاء کو اعتراض کرنے کا کوئی حق باقی نہیں۔ یہ دست برداری نافذ و جاری ہوگی۔ یہ دست برداری کوئی وصیت نہیں بلکہ زندگی میں کسی کو عطیہ دینے کی طرح ہے کیوں کہ وصیت تو بعد الموت نافذ ہوتی ہے اور یہ ایسا ہیہ ہے جس میں رجوع اور واپسی درست نہیں۔ اس کو واپس کرنے والا اس طرح ہے جس طرح کتافے کر کے اسے چاٹ لیتا ہے۔

سوال: ڈاکٹروں کا یہ کہنا کہ یہ مرض لاعلاج ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

حالاں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا أُنْزِلَ اللَّهُ دَاءً إِلَّا أُنْزِلَ لَهُ دَوَاءٌ عِلْمُهُ مِنْ عِلْمِهِ وَجَهْلُهُ مِنْ جَهْلِهِ» [البخاری، ابی داؤد: ۶۵۸۷]

”اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی بیماری نازل کی ہے تو ضرور اس کا

علاج بھی اتارا ہے جس کو کسی نے جان لیا اور کسی نے نہ جانا۔“

جواب: اس صورت میں یوں کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ”ہم اس مرض کا علاج نہیں جانتے“ کیوں کہ کئی بیماریاں ایسی ہیں جن پر دوا کام نہیں کرتی جس طرح ”سل“ کی بیماری ہے جس میں پھیپھڑوں میں زخم ہو جاتے ہیں اس کا علاج قدیم زمانے سے دست یاب نہ ہو سکا، یا جس طرح چچک وغیرہ ہے پھر بعد میں ان بیماریوں کا علاج اللہ کی طاقت سے معلوم اور دریافت ہو گیا یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں سے

﴿وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَغْيِرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ﴾ [النساء: ۱۱۹]
 ”کہ میں انسانوں کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش بدل
 ڈالیں۔“

سوال: میری ماں کو ایک عورت نے دودھ پلایا تھا اب اس دودھ
 پلانے والی کی سوکنیں بھی ہیں کیوں کہ اس کے خاوند کی اس کے
 علاوہ تین اور عورتیں بھی ہیں اور اس عورت کے اور بھی بچے ہیں
 تو کیا میں ان کے لیے پردہ اور حجاب اتار سکتی ہوں؟

جواب: جس عورت نے تمہاری ماں کو دودھ پلایا ہے وہ تمہاری
 رضاعی نانی ہے اور اس کا خاوند تمہارا نانا ہے اور تمہاری ماں کا باپ
 ہے کیوں کہ وہی دودھ کا سبب ہے اور اس کی سوکنیں تمہارے ماں کی
 طرف سے ننانے کی بیویاں ہیں تو ان کی ساری اولاد تمہاری ماں کے
 بھائی اور تمہارے رضاعی ماموں ہیں۔

سوال: استاذ مکرم میں سگریٹ، چرس وغیرہ بیماریوں میں مبتلا ہوں
 تو اس سلسلہ میں آپ میری کیا راہنمائی فرمائیں گے؟
جواب: یہ سب چیزیں بلا شک حرام ہیں۔ کیوں کہ یہ سب خباثت
 میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ﴾
 ”یعنی پیغمبر ﷺ لوگوں کے لیے پاک چیزیں حلال کرتے
 ہیں اور خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں۔“ [الاعراف: ۱۵۷]

یہ چیزیں بہت گندی بیماریوں کا سبب بنتی ہیں جو بہت جلد
 موت کا باعث ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا
 أَنْفُسَكُمْ﴾ [النساء: ۲۹] ”یعنی اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔“ اور اللہ
 تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾
 [البقرة: ۱۹۵] ”یعنی تم اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔“
 اس کو خریدنا اسراف و تبذیر اور مال کو ناجائز ضائع کرنا ہے۔
 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ط وَكَانَ

ہے کہ اس کے بتانے سے ہمیں یہ علاج معلوم ہوا۔ لہذا وہ جب کسی
 بیماری کا علاج نہ جانتے ہوں تو یہ ان کے علم کی کمی کی وجہ سے ہے اس
 لیے انھیں یوں کہنا چاہیے کہ ہم اس کا علاج نہیں جانتے اس طرح
 نہیں کہنا چاہیے کہ اس بیماری کا علاج ہی نہیں۔

سوال: میری بہن شادی شدہ ہے اور اس کا خاوند اس کو ہمیشہ مار
 پیٹ کرتا رہتا ہے وہ چاہتی ہے کہ اسے اس خاوند سے طلاق مل
 جائے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔ اب آپ اس
 معاملے میں ہماری کیا راہنمائی فرماتے ہیں؟

جواب: اگر وہ موجودہ خاوند سے مسلسل ضرر اور تکلیف اٹھا رہی ہے
 کیوں کہ وہ اس کو ہمیشہ مارتا رہتا ہے اور اس کے جسم و جان کو ایذا
 پہنچاتا ہے تو اسے اس ضرر کا نشانہ بننے کی وجہ سے طلاق مانگنے کا حق
 حاصل ہے اور اس کے سات سال سے کم عمر بچے اگر وہ انھیں اپنے
 ساتھ رکھنا چاہے تو وہ اس کے پاس ہی رہیں گے کیوں کہ وہ ان کی
 زیادہ حق دار ہے، اور ان کا خرچہ ان کے باپ کے ذمہ ہوگا۔ سات
 سال کے بعد جب لڑکیوں کو باپ اپنی ذمہ داری میں لے لے تو
 انھیں اپنی ماں کے ساتھ ملاقات کرنے سے منع نہ کرے، اور بچے کو
 اختیار دیا جائے گا اگر وہ باپ کے ساتھ رہنا پسند کرے تو وہ اس کو اپنی
 ماں کی ملاقات سے منع نہ کرے۔

سوال: خوب صورتی کے لیے عورت کا اپنے بالوں کا کم و بیش مقدار
 میں کاٹنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: بال عورت کی زینت ہیں انھیں کم و بیش مقدار میں یا کسی
 دوسرے طریقے سے کاٹنا جائز نہیں۔ عورت کے فطری بال اس کی
 خوب صورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کنی طور پر عطا فرمائی ہے۔
 لہذا ان کو کاٹ کر بدلنا اور بگاڑنا درست نہیں۔ نہ آگے سے کاٹنے
 چاہئیں اور نہ پیچھے سے۔ اسی طرح انھیں زرد اور سرخ زرد رنگ وغیرہ
 سے رنگنا بھی جائز نہیں کیوں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق کو
 بدلنے کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان نے کہا تھا:

الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾ [الاسراء: ٢٧]

”فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا شکر ہے۔“

ان چیزوں کی تجارت اور کمائی بھی حرام ہے۔ اس لیے میں بطور خیر خواہی آپ کو اللہ کی طرف توبہ کرنے اور اس کو فوراً چھوڑ دینے کا کہتا ہوں جب آپ اللہ تعالیٰ سے تائید و نصرت طلب کرتے ہوئے اس شوق سے چند دنوں تک صبر کریں گے تو یہ عادت اور اس کے ضرر سے آپ بالکل چھوٹ جائیں گے۔

سوال: جو شخص بکری ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ کرنے کی نذر مانے پھر وہ اسے ذبح کر کے اس سے کچھ حصہ خود بھی کھالے تو اس کا کیا حکم ہے۔

جواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ نذر مانے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے۔

”مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعهُ۔“ [البخاری: ٦٦٩٦]

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے زمانے میں ”بوانہ“ میں کچھ اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تو آپؐ نے پوچھا کیا وہاں کوئی جاہلیت کابت تو نہیں جس کی عبادت کی جاتی ہو؟ تو کسی شخص نے جواب عرض کیا کہ وہاں ایسا کوئی بت نہیں۔ تو آپؐ نے پوچھا کیا وہاں ان کی کوئی عید تو نہیں منائی جاتی؟ کسی نے جواب دیا کہ نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرِ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا

فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ» [ابوداؤد: ٣٣١٣]

”نذر پوری کرو کیوں کہ صرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر اور اختیار سے باہر چیزوں کی نذر پوری نہ کی جائے۔“

لہذا اسائل پر ضروری ہے کہ سالم بکری ذبح کر کے صدقہ کرے اور اس سے خود کچھ نہ کھائے اور چوں کہ اس نے اس سے کچھ کھالیا ہے اس لیے اس پر ضروری ہے کہ جتنا اس نے کھالیا ہے اتنا گوشت خرید کر

صدقہ کر دے اور اسے دوبارہ بکری ذبح کر کے صدقہ کرنا ضروری نہیں

بلکہ وہ اسی پر اکتفاء کرنے سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

سوال: میں نے اپنی بیوی کو کسی گھریلو خصوصاً والدہ محترمہ کے

ساتھ اختلاف کی وجہ سے طلاق دے دی۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے، اور میری والدہ اور دیگر گھر والوں کی رضامندی کے بغیر وہ میرے ساتھ رہ بس رہی ہے۔ اب میرے لیے شرعی حکم کیا ہے اور کیا یہ والدین کی نافرمانی میں سے تو نہیں؟

جواب: کوئی حرج نہیں۔ آپ بیوی کو بھی رکھ سکتے ہیں اور ماں باپ اور دیگر گھر والوں کو بھی راضی رکھنے کا ارادہ رکھیں اور آپ اپنے والدین کے سامنے بیوی کی طرف سے معذرت پیش کریں اور یہ بھی کہیں کہ وہ مجھ سے بالکل اختلاف نہیں رکھتی اور وہ بھی ان سے معذرت کرے۔ آپ بھی اس کو معذرت کرنے کا کہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں ہمیشہ خیر اور بھلائی ہی چاہتی ہوں۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اسے معاف کر دیں۔ لیکن اگر وہ اپنے فعل پر مصر رہیں تو سائل اپنے گھر والوں سے قطع تعلقی نہ کرے اور بیوی سے بلا وجہ علیحدگی کا بھی ہم اس کو حکم نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ اللہ کے نزدیک سب سے برا حلال طلاق ہے جو کسی ٹھوس وجہ کے بغیر جائز نہیں۔

سوال: کبھی کبھی مجھ سے صبح یا شام کے اذکار میں تاخیر ہو جاتی ہے تو کیا یہ تاخیر کے ساتھ پڑھنا بھی کافی ہے یا نہیں؟

جواب: اگر کسی ضروری کام کی وجہ سے یہ اذکار رہ گئے ہوں تو بعد از وقت بھی ان کی قضا درست ہے۔ افضل تو یہی ہے کہ یہ اذکار وقت پر ہی بیٹھ کر اور نماز گاہ میں کیے جائیں مگر کسی سبب سے مجبور ہو کر کسی کام کے لیے اٹھ کر چلا جائے تو چلتے ہوئے یا سواری پر بھی انہیں پڑھ سکتا ہے اسی طرح دیگر نفوت شدہ اذکار کے ساتھ بھی پڑھ سکتا ہے۔

سوال: میرے والد نے کسی دوسری عورت سے شادی کر لی اب میری ماں نے میرے باپ کو ملنے اور اس کے ساتھ کسی بھی

میں ہمیشہ ان دونوں کے ساتھ نیکی کرنے کا شوق اور جذبہ ہونا ضروری ہے۔

○○.....❁❁❁.....○○

سیرت النبی ﷺ کانفرنس، خان پور

علوم اسلامیہ کی عظیم اور مثالی درسگاہ جامعہ محمدیہ اہل حدیث خان پور کے زیر اہتمام و اکتیسویں سالانہ سہ روزہ عظیم الشان سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۲۳، ۲۴، ۲۵ مارچ ۲۰۰۷ء (برطانیق ۳، ۴، ۵ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ) بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار منعقد ہو رہی ہے۔ کانفرنس میں ملک بھر سے اہل حدیث زعمائے کرام تشریف لارہے ہیں۔ خطبہ جمعہ المبارک فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی صاحب ارشاد فرمائیں گے۔ [شعبہ تبلیغ جامعہ محمدیہ اہل حدیث خانپور، ضلع رحیم یار خان]

صورت حسن سلوک کرنے کو ترک کر دیا ہے مگر میں تو ان دونوں سے نیکی کرنا چاہتا ہوں اب میں کیا کروں کیا مجھے اپنی تنخواہ یا دیگر آمدن سے اپنے باپ کو کچھ دینا جائز ہے؟ جب کہ مجھے معلوم ہے کہ میری ماں میرے اس فعل کا سختی کے ساتھ انکار کرتی ہے۔

جواب: تم پر ضروری ہے کہ اپنے والد اور والدہ دونوں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرو مگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے امور میں ان کی اطاعت نہ کرو۔ کیوں کہ خالق کی نافرمانی والے کاموں میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ والد کا بھی تم پر حق ہے اور والدہ کا بھی۔ اس لیے تم باپ سے بھی ملاقات رکھو اور والدین سے کہو کہ اگر میں والد سے نہ ملوں تو یہ حقوق الوالدین بھی ہوگا اور اللہ کی نافرمانی بھی اور ممکن نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ [الاسراء: ۲۳]

ماں باپ سے نیکی کرو، اور باپ کی معاونت کرنے میں چاہے آپ کی والدہ کو معلوم نہ ہو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ کے دل

واللہ خیر الرازقین

رجسٹرڈ ٹریڈ مارک

۶۳۶۱۰

دفعہ: 240100

273423:

بیکو

پینکھ

تیار کردہ

بیکو انجنیئرنگ کمپنی رجسٹرڈ

جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور

نرخ نامہ اشتہارات فی اشاعت

- ①.....آخری صفحہ ٹائٹل2400 روپے
- ②.....اندرون صفحہ ٹائٹل1800 روپے
- ③.....فل صفحہ نیوز1400 روپے
- ④.....نصف صفحہ نیوز750 روپے
- ⑤.....چوتھائی صفحہ نیوز400 روپے
- ⑥.....عام چھوٹے اشتہارات300 روپے

❁....."الاعتصام" میں اشتہار لگوائیں اور اپنی تجارت کو فروغ دیں۔

❁.....اشتہار خوش خط، مختصر اور معاوضہ ہمراہ ارسال کریں۔

❁.....مسلسل اشاعت (کم از کم ۱۶ ماہ) 20 فی صد خصوصی رعایت۔

❁....."الاعتصام" سے تعاون آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔

رابطہ کے لیے

دفعہ ہفت روزہ الاعتصام ۳۱ شیش محل روڈ، لاہور، فون: ۰۳۲-۷۳۵۷۱۰۲

تفسیر بالغة

میں لفظ کے مختلف معانی میں سے ایک معنی کی تعیین وترجیح کے اصول

حافظ محمد شہباز حسن (لیکچرر: شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی)

تیمیمہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”شارع نے لغت میں استعمال ہونے والے الفاظ کو مطلق نہیں بلکہ مقید استعمال کیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ [آل عمران: ۹۷] ہے اس آیت میں خاص حج کا ذکر کیا اور وہ بیت اللہ کالج ہے۔ اسی طرح فرمان الہی ہے: ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ﴾ [البقرة: ۱۵۸]

تو یہاں لفظ حج ہر قصد اور ارادے کو شامل نہیں ہے بلکہ یہ خاص قسم کا مقصد ہے۔ لغت میں بغیر کسی تبدیلی کے لفظ خود ہی اس پر دلالت کرتا ہے۔ مخصوص حج جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو مضاف یا معرف باللام کے طور پر ذکر کیا گیا۔ اگر یہ جملہ الحج فرض علیک (حج آپ پر فرض ہے) بولا جائے تو لفظ حج پر ال میں لام جو عہد کا ہے واضح کرتا ہے کہ حج سے مراد حج بیت اللہ ہے۔ [مجموع فتاویٰ: ۷/۲۹۸-۲۹۹، موصوف نے یہاں دیگر الفاظ شرعیہ کی بھی وضاحت کی ہے۔ دیکھیے: ۲۹۹-۳۰۱]

یہ اور اس سلسلے کی ساری بحث کو علامہ جمال الدین قاسمی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور اس پر عنوان قائم کیا ہے:

”هل فى اللغة أسماء شرعية نقلها الشارع عن مسماها فى اللغة أو أنها باقية فى الشرع على ما كانت عليه فى اللغة -“

[دیکھیے محاسن التاویل: ۱/۲۵۰-۲۵۴]

شرعی اور لغوی معنی میں اصول ترجیح

شرعی معنی سے مراد یہ ہے کہ شریعت بعض الفاظ کو خاص مفہوم میں لیتی ہے۔ یا لغت میں مستعمل الفاظ کو مقید استعمال کرتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب شریعت ان کو متعین معنی میں استعمال کرتا ہے۔ جب نبی اکرم ﷺ کسی لفظ کا معنی متعین کر دیں تو اس کے لیے اشتقاق اور استعمال عرب کے شواہد وغیرہ کی حاجت نہیں ہوتی۔ ابن تیمیمہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”جس چیز کا جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں موجود الفاظ کا مفہوم نبی اکرم ﷺ کی جانب سے معلوم ہو جائے تو اس میں اہل لغت وغیرہم کے اقوال سے استدلال کی حاجت نہیں رہتی۔ [الفتاویٰ: ۷/۲۸۶]

محمد عبیدہ الفلاح فہم قرآن کے بنیادی اصول کے تحت بیان کرتے ہیں۔ کوئی شخص قرآن کے اصطلاحی الفاظ کی تشریح لغت سے تلاش کرنے کی کوشش کرے تو یہ اس کا دماغی خلل ہوگا اور یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے محض لغت کے سہارے تفسیر کی کوشش کی ہے انھوں نے قرآن کا مفہوم متعین کرنے میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ [ماہنامہ محدث، ج: ۳۱، عد: ۸/۲۴، اگست ۱۹۹۹ء/ ۱۴۲۰ھ،

مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور]

اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت ان الفاظ کو کبھی مقید استعمال کرتی ہے، کبھی ان میں عموم اور کبھی تخصیص پیدا کرتی ہے۔ امام ابن

”کیا لغت میں ایسے شرعی الفاظ موجود ہیں جن کو شارع ﷺ نے ان کے لغوی معنی سے ہٹا دیا ہو یا وہ شریعت میں اسی طرح باقی ہیں جیسے لغت میں تھے۔“

امام شوکانی نے جمہور کے موقف کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ’الصلاة‘ شارع ﷺ اور اہل شرع کی لغت میں اذکار و ارکان پر مشتمل ہے، ’زکوٰۃ‘ مخصوص مال دینے کا نام ہے، ’روزہ‘ مخصوص قسم کا رُکنا ہے اور ’حج‘ مخصوص قصد کا نام ہے۔ یہ الفاظ بولتے وقت یہی مدلولات ذہن میں آتے ہیں۔ یہ حقیقت کی نشان دہی ہے کہ لغت میں لفظ ’صلاة‘ دعا کے لیے، ’زکوٰۃ‘ نمو کے لیے، ’صیام‘ مطلق طور پر روکنے کے لیے اور ’حج‘ مطلقاً قصد کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ الفاظ اپنی لغوی معانی پر باقی ہیں جو چیز زیادہ کی گئی ہے شرط و قیود ہیں۔ [محمد بن علی بن محمد الشوکانی:

ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، ط: دار المعرفة بیروت، لبنان]

ان قیود کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہی علماء نے ایسے الفاظ کو اسلامی الفاظ قرار دیا ہے۔ [نواب صدیق حسن خان: البلغة فی اصول اللغة، ص: ۳۹، ۴۰، ط: ۱۲۹۴ھ۔ المطبع الشاہجہانی بھوپال، تفصیل کے لیے دیکھیے الاحکام للامدی: ۱/ ۶۱-۷۲]

یہی وجہ ہے کہ شرعی اصطلاحات کو صرف لغت کی بنیاد پر نہیں سمجھا جاسکتا جب تک کہ مقصود شارع معلوم نہ ہو۔ سید مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”قرآن کا سرسری مطالعہ بھی اگر کسی شخص نے کیا ہو تو یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس میں بہ کثرت باتیں ایسی ہیں جنہیں ایک عربی دان آدمی محض قرآن کے الفاظ پڑھ کر یہ نہیں جان سکتا کہ ان کا حقیقی مدعا کیا ہے اور ان میں جو حکم بیان کیا گیا ہے اس پر کیسے عمل کیا جائے۔ مثال کے طور پر لفظ صلوٰۃ ہی کو لے لیجیے۔ قرآن مجید میں ایمان کے بعد اگر کسی عمل پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے تو وہ صلوٰۃ

ہے لیکن محض عربی لغت کی مدد سے کوئی شخص اس کا مفہوم تک متعین نہیں کر سکتا۔ قرآن میں اس کا ذکر بار بار دیکھ کر زیادہ سے زیادہ جو کچھ وہ سمجھ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ عربی زبان کے اس لفظ کو کس خاص اصطلاحی معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور اس سے مراد غالباً کوئی خاص فعل ہے جسے انجام دینے کا اہل ایمان سے مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن صرف قرآن پڑھ کر کوئی عربی دان یہ طے نہیں کر سکتا کہ وہ خاص فعل کیا ہے اور کس طرح اسے ادا کیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ اگر قرآن بھیجنے والے نے اپنی طرف سے ایک معلم کو مقرر کر کے اپنی اس اصطلاح کا مفہوم اسے ٹھیک ٹھیک نہ بتایا ہوتا اور صلوٰۃ کے حکم کی تعمیل کرنے کا طریقہ پوری وضاحت کے ساتھ اسے نہ سکھا دیا ہوتا تو کیا صرف قرآن کو پڑھ کر دنیا میں کوئی دو مسلمان بھی ایسے ہو سکتے تھے جو حکم صلوٰۃ پر عمل کرنے کی ایک شکل پر متفق ہو جاتے؟“ [سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن: ۶/ ۱۷۰، ط: ۱۹۸۴ء، ادارہ ترجمان

القرآن، لاہور]

لہذا امرِ شریعت سے بے نیاز ہو کر ان الفاظ کا مفہوم محض لغت سے متعین نہیں کیا جاسکتا۔ پروفیسر اللہ بخش گیلانی قرآنی لغت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”انسانی لغت تغیر پذیر ہوتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ماہرین لغت اپنے خاص زمانے کو مد نظر رکھ کر رائج الوقت معانی کو مرتب کر کے لغت تیار کرتے ہیں۔ پھر جوں جوں انسانی اعمال اور محسوسات میں تغیر آتا جاتا ہے الفاظ کے پہلے متعین کردہ معانی بدلتے جاتے ہیں۔ کسی زمانے کی بنائی ہوئی لغت صرف اُس زمانے کے مروجہ معانی کی سند ہو سکتی ہے ماقبل اور مابعد کے زمانے کے لیے اُسے حکم نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ مروی وقت کے باعث بہت سے الفاظ متروک الاستعمال ہو جاتے ہیں یا اگر الفاظ قائم رہیں تو اُن کا اساسی مفہوم جزءاً یا کلاً محرف ہو جاتا ہے۔ ہر زبان کی لغت میں ایسے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ دلی دکنی کے وقت کی جو اردو ہے اُس کا مابعد زمانے کی اردو اور

پھر آج کی اردو سے مقابلہ کیجیے۔ شیکسپیر نے اپنے ڈراموں میں بعض الفاظ کا جو مفہوم لیا تھا اُن الفاظ کا آج وہ مفہوم نہیں ہے۔ یہ معنوی انقلاب قرآن کے الفاظ میں بھی پیدا ہوتا رہتا ہے جو کہ مسلمانوں کے حیات کے ہبوط کی تاریخ کو پیش کر رہا ہے۔ ایمان، شرک، کفر، تقویٰ، اصلاح، صبر، توکل، ظلم، فسق وغیرہ بیسیوں الفاظ ایسے ہیں جن کا مفہوم جزاً یا کلیہً منہج ہو چکا ہے۔ لیکن قرآن حکیم کے اندر اُن کا صحیح مفہوم موجود و محفوظ ہے۔ قرآن نے ان الفاظ کو زبان عرب سے لیا اور ہر لفظ کے متعلق ایک مستقل مفہوم مد نظر رکھ کر خاص اصلاح وضع کی۔ پھر اس مفہوم کی تلقین رسول خدا ﷺ سے کرا کر ایک خاص ماحول پیدا کیا۔ اس طرح الفاظ کا الہی مفہوم قرآن کے اندر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ اس لحاظ سے قرآن تغیر پذیر لغت سے بے نیاز ہے۔“ [پروفیسر سید اللہ بخش گیلانی، آیات

بینات، ص: ۵۴، انجمن تہذیب الاسلام گلبرگ، لاہور]

شریعت کی وضع کردہ خاص اصطلاحات کو دیکھ کر بعض علماء نے اس کو لغت میں انقلاب سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ ”نبوی انقلاب کا اثر لغت عرب پر“ کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

اس حد تک نبی ﷺ نے قرآن کریم کے معانی بتائے کہ پوری لغت عرب کے اندر انقلاب برپا کر دیا، لغت عرب کو تبدیل کر کے رکھ دیا اور ایسا انقلاب آیا کہ جس کے بعد آج تک کوئی ایسا انقلاب نہیں آیا۔ لغت عرب کے اندر حج کا کوئی اور معنی ہوتا تھا، اللہ کی طرف سے امام الانبیاء کی لغت آئی تو معنی بدل گیا۔ صلوة کا کوئی اور معنی ہوتا تھا، رسالت مآب ﷺ کی زبان نے حرکت کی تو صلوة کا معنی بدل گیا اور اس میں جامعیت پیدا ہو گئی، صوم کا کوئی اور معنی ہوتا تھا رسالت مآب ﷺ کی زبان حرکت میں آئی تو صوم کا معنی بدل گیا۔ زکوٰۃ کے معنی کچھ اور ہوتے تھے، سجدے کا کوئی اور معنی، رکوع کا کوئی اور معنی، قیام کا کوئی اور معنی، سلام کا کوئی اور معنی، صرف یہی نہیں بلکہ اخلاق و آداب اور معاملات کے معانی میں بھی بڑا

انقلاب رونما ہوا۔ سارے مفہام حضرت محمد ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے تبدیل کرا کے رکھ دیے، اور عربی زبان نے دنیا کی جدید ترین زبان کی شکل اختیار کر لی، دنیا کی جدید ترین عربی لغت وہ ہے جو حدیث رسول میں حضرت محمد ﷺ کی زبان پر بولی گئی ہے، اس کے بعد آج تک ایک ذرہ بھر انقلاب نہیں آیا۔ عربی زبان میں بگاڑ کے لیے کوششیں ہوئی ہیں، عربی زبان کی اصلاح کے لیے اس کی ترقی کے لیے اور اس کے اندر کسی انقلاب کے لیے اور تبدیلی کے لیے کوئی حرکت آج تک نہیں ہو سکی اور نہ کبھی ہوگی۔ جدید ترین زبان وہ ہے جو مسلمان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں لکھتے ہیں، پڑھتے ہیں، بولتے ہیں، سمجھتے ہیں، سمجھاتے ہیں۔ اس سے جدید ترین لغت کوئی نہیں ہے، اس سے زیادہ مستند لغت کوئی نہیں ہے، اس سے زیادہ قابل اعتماد لغت کوئی نہیں ہے جو حضرت محمد ﷺ چھوڑ کے گئے ہیں۔ [ترتیب، حافظ عبد الوحید: مجموعہ مقالات

تعلیم و تربیت، ص: ۶۲، ط: ۲۰۰۶ء، دار الفلاح گلبرگ لاہور]

اس انقلاب کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی قرآنی الفاظ کا مفہوم متعین ہوتا ہے مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ لفظ کے لغوی اور شرعی دونوں قسم کے معانی کی گنجائش ہوتی ہے۔ لغوی اور شرعی معنی متعارض ہو عموماً شرعی معنی کو ہی ترجیح حاصل ہوتی ہے کیوں کہ شریعت لغوی معانی یا مفہام کے لیے نازل نہیں ہوئی۔ البتہ اگر شرعی معنی متعذر ہو تو لغوی معنی بھی لیا جاتا ہے۔ لیکن لغوی معنی مراد لینے کے لیے کوئی واضح قرینہ یا دلیل موجود ہونا ضروری ہے۔ زکشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”أن تختلف أصل الحقيقة فيهما فيدور اللفظ

بين معنيين، هو في أحدهما حقيقة لغوية وفي

الأخر حقيقة شرعية فالشرعية أولى إلا أن تدل

قرينته على إرادة اللغوية -“ [البرهان: ۱۶۸/۲]

”اگر لفظ دو معانی کے درمیان گردش کر رہا ہو کہ ایک اعتبار سے

لغوی معنی جب کہ دوسرے اعتبار نے شرعی معنی مراد لیا جاسکتا ہو تو

شرعی معنی مقدم ہوگا ہاں اگر کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو لغوی معنی مراد لینے پر دلالت کرے تو لغوی معنی مراد لیا جائے گا۔“

اس کی وجہ آدمی یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ شرعی احکام کی پہچان کروانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں، اس لیے ان کی معرفت آپ کے ذریعے سے ہی ہو سکتی ہے نہ کہ اس چیز کی پہچان کروانے کے لیے آپ مبعوث ہوئے جو اہل لغت کے ہاں معروف ہے لہذا ضروری ٹھہرا کہ لفظ کو اسی معنی پر محمول کیا جائے جس میں بعثت محمدی کے مقاصد سے مطابقت ہو۔ [الامام علی بن محمد الآمدی، الإحکام فی أصول الأحکام: ۲۶/۳، ط: ۱، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء، دار الكتاب العربی، بیروت۔ لبنان]

المجمل کی بحث میں المسئلة الثامنة (آٹھواں مسئلہ) کے تحت اذا ورد لفظ الشارع وله مسمی لغوی ومسمی شرعی کے عنوان سے آدمی لکھتے ہیں:

”وقال بعض اصحابنا وأصحاب ابی حنیفة أنه

محمول علی المسمی الشرعی -“ [ایضاً]

”ہمارے بعض احباب دوست اور امام ابوحنیفہ کے ساتھی کہتے ہیں کہ لفظ کو شرعی مدلول پر محمول کیا جائے گا۔“ آدمی بھی لغت پر عرف شرع کو مقدم ثابت کرتے ہیں۔ [ایضاً، ص: ۲۷]

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو فتح الباری میں کئی مقامات پر ذکر کیا ہے، طبعی کہتے ہیں: شارع کا کلام اس کے بیان اور وضاحت پر محمول کیا جائے گا کیوں کہ اس کے مخاطب اہل زبان تھے گویا کہ ان باتوں کے ساتھ ان سے خطاب کیا گیا ہے جن کا علم ان کو شارع کی طرف سے ہی ملا ہے تو لفظ اسی معنی پر محمول کیا جائے گا جس سے شرعی حکم کا پتا چلے۔ [فتح الباری: ۱/۱۳]

ابن حجر لکھتے ہیں:

أن ألفاظ الشرع إذا دارت بین الحقيقة اللغویة والشرعیة حملت علی الشرعیة إلا إذا قام

دلیل -“ [ایضاً، ص: ۲۷۶]

”الفاظ شریعت جب لغوی معنی اور شرعی معنی کے درمیان گھوم رہے ہوں تو ان کو شرعی حقیقت پر محمول کیا جائے البتہ اگر کوئی دلیل مل جائے تو ان کو لغوی حقیقت پر محمول کیا جائے گا۔“

صوم کی بحث میں موصوف لکھتے ہیں:

”وظاهره حملة علی الحقيقة الشرعیة فیتمسك به حتی یدل دلیل علی أن المراد ما بصوم هنا حقيقة اللغویة -“ [ایضاً: ۱۵۶/۴]

”ظاہر یہی ہے کہ اس کو شرعی حقیقت پر محمول کیا جائے اور اسی کو اختیار کیا جائے حتیٰ کہ کوئی ایسی دلیل مل جائے جو اس پر دلالت کرے کہ یہاں صوم (روزے) کی لغوی حقیقت مراد ہے۔“

اس مسئلہ کو ابن حجر رحمہ اللہ متفق علیہ مسئلہ کہتے ہیں:

”الحمل علی الحقيقة الشرعیة مقدم علی

اللغویة اتفاقاً -“ [ایضاً: ۱۶۸/۹]

”شرعی حقیقت پر محمول کرنا لغوی حقیقت پر محمول کرنے سے بالاتفاق مقدم ہے۔“

خمر (شراب) کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

”إنه قد نزل تحريم الخمر وهي من خمسة أشياء العنب والتمر والحنطة والشعير والعسل والخمر ما خامر العقل -“ [صحيح بخاری، كتاب الأشربة ۷۴، باب: ۵، ما جاء فی أن الخمر ما خامر العقل من الشراب، ح: ۵۵۸۸]

”شراب کی حرمت نازل ہو چکی یہ ان پانچ چیزوں سے بنتی ہے۔ انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد ہر وہ چیز خمر ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔“

شریعت میں خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ دے

جب کہ لغت میں انگوروں سے پنچور کر حاصل کی گئی نشلی چیز خمر کہلاتی ہے اگرچہ اس میں بھی اہل لغت کا اختلاف موجود ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”لو سلم أن الخمر في اللغة يختص بالمتخذ من العنب فالاعتبار بالحقيقة الشرعية وقد تواردت الأحاديث على أن المسكر من المتخذ من غير العنب يسمى خمرا والحقيقة الشرعية مقدمة على اللغوية -“ [فتح الباری: ۱۰/۴۷]

”اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ خمر کا لفظ اسی کے ساتھ خاص ہے جو انگور سے حاصل کی جائے تو بھی حقیقت شرعیہ کا اعتبار کیا جائے گا اور اس بارے میں کئی احادیث ہیں کہ انگور کے علاوہ دوسری اشیاء سے حاصل کردہ نشلی چیزوں کو بھی خمر کہا گیا ہے حقیقت شرعیہ (شرعی معنی) لغوی معنی پر مقدم ہے۔“

راغب اصفہانی خمر کی لغوی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصل میں خَمْرُ کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں اسی طرح خَمَارُ اصل میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی چیز چھپائی جائے۔ مگر عرف میں صرف اوڑھنی پر بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع خمر آتی ہے چنانچہ فرمایا:

﴿وَيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ [۳۱:۲۴]

”اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھ رہی ہوں۔“

کہا جاتا ہے:

اِخْتَمَرَتِ الْمَرْءَةُ وَتَخَمَرَتْ

”عورت نے سر پر اوڑھنی اوڑھ لی۔“

خَمَرْتُ الْإِنَاءَ - ”میں نے برتن ڈھانپ دیا۔“

ایک روایت میں ہے:

خَمَرُوا إِنْتِكُمْ ”کھانے کے برتن ڈھانپ کر رکھا کرو۔“

أَخْمَرْتُ الْعَجِينَ ”گوندھے ہوئے آٹے میں خمیر ڈالنا۔“

اور خَمِيرَةٌ کو خَمِيرَہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اسے گوندھنے کے بعد خمیر اٹھانے کے لیے ڈھانپ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ دَخَلَ فِي خِصَامِ النَّاسِ لوگوں کے ہجوم میں داخل ہو کر چھپ گیا۔

الْخَمْرُ شراب، نشہ کیوں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے بعض لوگوں کے نزدیک ہر نشہ آور چیز پر خمر کا لفظ بولا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک صرف اسی چیز کو خمر کہا جاتا ہے جو انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو۔ کیوں کہ ایک روایت میں ہے کہ خمر (شراب حرام) صرف وہی ہے جو ان دو درختوں یعنی انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ ”خمر“ صرف اسی کو کہتے ہیں جو پکائی نہ گئی ہو۔ پھر اس بارے میں فقہاء مختلف ہیں کہ کس قدر پکانے کے بعد اس پر خمر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ [المفردات فی غریب القرآن، ص: ۲۹۰]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس بات پر کہ ”ہر نشہ آور چیز خمر ہے“ اہل مدینہ، تمام حجازیوں اور سب محدثین کا اجماع نقل کیا ہے کہ ”کل مسکر خمر وحکمہ حکم ما اتخذ من العنب، ومن الحجة لهم أن القرآن لما نزل بتحريم الخمر فهم الصحابة وهم اهل اللسان أن كل شيء يسمي خمرا يدخل في النهي فأراقوا المتخذ من التمر والرطب ولم يخصصوا ذلك بالمتخذ من العنب وعلى تقدير التسليم فاذا ثبت تسمية كل مسكر خمرا كان حقيقة شرعية وهي مقدمه على الحقيقة اللغوية -“ [فتح الباری: ۱۰/۴۸]

”یہ نشہ آور چیز حرام ہے اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو انگور سے حاصل کردہ خمر کا ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب قرآن خمر کی حرمت بیان کرنے کے لیے نازل ہوا تو صحابہ جو اہل زبان تھے وہ سمجھ گئے کہ ہر وہ چیز جس کو خمر کہا جاتا ہے اس ممانعت میں داخل ہے تو انھوں نے خشک اور تر کھجور سے کشید کردہ خمر کو بھی بہا دیا تھا۔ انھوں نے انگور سے کشید کردہ خمر کو

خاص نہیں کیا تھا۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ہر نشہ آور چیز کو شرعاً حرام کہا جاتا ہے تو یہ معنی لغوی حقیقت پر مقدم ہوگا۔“
ابن عبد البر کہتے ہیں:

”إن الحكم إنما يتعلق بالاسم الشرعي دون اللغوي۔“ [ایضاً، ص: ۴۹]

”حکم شرعی اسم سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ لغوی اسم سے۔“
لغوی اور شرعی معنی میں اختلاف کے مسئلے میں صالح العثیمین لکھتے ہیں:

اگر شرعی اور لغوی معنی میں اختلاف ہو جائے تو اس مفہوم کو لیا جائے گا جس کا شرعی معنی تقاضا کرتا ہے کیوں کہ قرآن شریعت بیان کرنے کے لیے نازل ہوا ہے نہ کہ لغت کے بیان کے لیے۔ ہاں اگر کوئی ایسی دلیل موجود ہو جس سے لغوی معنی رائج قرار پاتا ہو تو لغوی معنی کو لیا جائے گا۔ شرعی معنی کو مقدم ماننے کی مثال اللہ تعالیٰ کا منافقین کے بارے میں یہ فرمان ہے:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا﴾ [التوبة: ۸۴]

”ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا۔“

لغت میں صلاۃ سے مراد دعا ہے اور شرعاً یہاں میت پر دعا کے لیے مخصوص انداز سے کھڑا ہونا ہے۔ یعنی نماز جنازہ پڑھنا مراد ہے۔ تو یہاں شرعی معنی مقدم ہوگا کیوں کہ متکلم (اللہ تعالیٰ) کو مخاطب کا عرف مقصود ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ منافقین کے لیے دعا کرنا مطلقاً منع ہے تو یہ اس دلیل سے نہیں بلکہ دوسری دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔ [محمد بن صالح العثیمین، أصول فی التفسیر،

ص: ۳۱، ۳۲ ط: ۱۴۱۰ھ / ۱۹۹۰ء، مکتبہ ابن تیمیہ۔ قاہرہ]

ایک لفظ کے دو معانی میں سے لغوی معنی کو ترجیح دینے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ [التوبة: ۱۰۳]

”آپ ان کے مال سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کر لیں جس سے آپ انھیں (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہیں، اور ان کے حق میں دعائے خیر کریں۔“

صالح العثیمین مذکورہ آیت میں آنے والے لفظ صلاۃ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس سے یہاں مراد دعا ہے اس کی دلیل صحیح مسلم کی عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہتے ہیں جب کسی قوم کی طرف سے زکوٰۃ آپ کے پاس پہنچتی ہے تو ان کے لیے دعا کرتے۔ میرے والد اپنی زکوٰۃ لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے دعا کی:

”اللهم صل آل ابی أوفی۔“ [اصول فی التفسیر، ص: ۳۲ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ: ۲۴، باب: ۶۴، صلاة الإمام ودعائه لصاحب الصدقة، ح: ۱۴۹۷، صحیح مسلم، کتاب الزکوة، باب الدعاء لمن أتى لصدقته، ح: ۱۰۷۸]

”اے اللہ! آل ابی اوفی پر رحمتیں نازل فرما۔“
ابن نجیم عموم وخصوص سے متعلق لکھتے ہیں:

”فلو كان الشرع يقتضي الخصوص واللفظ يقتضي العموم اعتبرنا خصوص الشرع قالوا لو اوصى لأقاربه لا يدخل الوارث اعتبارا لخصوص الشرع۔“ [زین الدین ابراہیم بن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۱/ ۱۴۰]

”اگر شرع خصوص کا تقاضا کرتی ہو اور لفظ عموم کا متقاضی ہو تو ہم شرع کے خصوص کا اعتبار کریں گے فقہاء کہتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنے رشتہ داروں کے لیے (مالی) وصیت کرتے تو اس میں شریعت کے خصوص کی وجہ سے وارث شامل نہیں ہوگا۔“

وصیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ وَالْوَصِيَّةُ لِلَّذِينَ دَانَ وَ الْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرة: ۱۸۰]

”تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی فوت ہونے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پر بیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے۔“

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس آیت میں والدین اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے، میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا۔ ٹھیک قول یہی ہے لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بغیر وصیت ہی لے لے گا۔“ [تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۸۰]

ابن نجیم (۹۷۰ھ) نے جولا يدخل الوارث اعتبار الخصوص الشرع کہا ہے اس سے ان کا اشارہ ان احادیث مبارکہ کی طرف ہے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔ عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”لا وصیة لوارث -“ [جامع ترمذی، کتاب الوصایا، باب ما جاء لا وصیة لوارث، ح: ۲۱۲۱۔ سنن نسائی، کتاب

الوصایا، باب ابطال الوصیة لوارث، ح: ۳۶۷۱]

”کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔“

ماثر تفسیر میں لغت کی بنیاد پر اختلاف کی نوعیت

تفسیر ماثور میں اختلاف کو تین اقسام میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ الفاظ مختلف ہوتے ہیں مگر مفہوم تقریباً ملتا جلتا ہوتا ہے دوسری یہ کہ لفظ سے دو مختلف مفہوم سامنے آتے ہیں ان میں عدم اختلاف کی

وجہ سے دونوں کو ایک ساتھ بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ جب کہ تیسری قسم میں دو معانی میں تضاد کی وجہ سے دونوں کو ایک ساتھ مراد نہیں لیا جاسکتا۔ لہذا قرینے یا کسی دلیل سے رائج معنی مراد لیا جائے گا۔

لفظ مختلف اور مفہوم ایک کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا ۖ إِنِّي أَنَا ۖ﴾ [بنی اسرائیل: ۲۳]

کی تفسیر ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قضی کا معنی امر (حکم دیا)، مجاہد رضی اللہ عنہ نے وصی (وصیت کی) اور رزق بن انس نے اوجب (واجب کیا) مراد لی ہے۔ ان تفسیرات کا مفہوم ایک یا قریب قریب ہے۔ لہذا اس اختلاف سے آیت کے مفہوم میں کوئی

فرق واقع نہیں ہوتا۔ [اصول فی التفسیر، ص: ۳۲]

مختلف الفاظ سے کسی لفظ کی تفسیر بیان کی گئی ہو اور ان الفاظ کے معانی ہوں تو مختلف مگر ان میں تضاد نہ ہو تو آیت کو دونوں معانی پر محمول کیا جائے گا۔ تطبیق یوں ہوگی کہ دونوں اقوال میں آیت کے معنی مراد کو تمثیل اور تنويع کے انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ تنويع کی مثال اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَكَاَسًا دِهَاقًا﴾ [النبا: ۳۴] ”اور شراب کے چھلکتے ہوئے گلاس“ کی تفسیر ہے۔ دھاقا کا معنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ”بھرے ہوئے“، امام مجاہد نے ”پے در پے آنے والے“ اور عکرمہ نے صافیة ”شفاف“ مراد لیا ہے۔ ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں آیت تمام مفاہیم کی متحمل ہے۔ لہذا اس کو ایک ساتھ ہی ان سب پر محمول کیا جاسکتا ہے اور اس طرح ہر قول معنی کا ایک پہلو بیان کرے گا۔ [دیکھیے اصول فی التفسیر، ص: ۳۳]

تینوں اقوال سے ان پیالوں (گلاسوں) کی مختلف صفات سامنے آتی ہیں وہ بھرے ہوئے بھی ہوں گے، یکے بعد دیگرے فراہم کیے جائیں گے اور وہ صاف و شفاف بھی ہوں گے۔

البتہ اگر لفظ و معنی میں اختلاف ہو اور آیت دو معانی کی متحمل نہ ہو کیوں کہ ان معانی میں تضاد پایا جاتا ہو تو آیت کو رائج سیاق و سباق اور دیگر دلائل کی دلالت کی وجہ سے رائج معنی پر محمول کیا جائے

گا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [النحل: ۱۱۵]

”اس نے تم پر مردار، خون اور سور کا گوشت حرام کر دیا ہے اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے (اس کو بھی)۔ ہاں اگر کوئی ناچار ہو جائے بشرطیکہ گناہ کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے نکلے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بخشش والا مہربان ہے۔“

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما باغ اور عادی کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ (مضطر) مردار کو حلال جاننے والا نہ ہو اور نہ اس کو زیادہ کھائے (اس قدر ہی کافی ہے جس سے اس کی جان بچ سکتی ہو)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ خلیفۃ المسلمین کے خلاف خروج کرنے والا نہ ہو (بغاوت نہ کرے) اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا ہو۔ مگر رائج قول پہلا ہی ہے کیونکہ دوسرے قول پر آیت میں کوئی دلیل موجود نہیں، اور اس لیے بھی کہ مقصود یہ ہے کہ ذکر کردہ اشیاء کو جائز قرار دیا جائے تاکہ حاجت ختم ہو اور یہ تو امام وقت کے خلاف خروج، ناجائز سفر اور دیگر مواقع پر باقی رہتی ہے۔ اس (زیر بحث مسئلہ) کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَأِنْ طَلَقْتُمْوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ ۖ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بَيْنَهُمَا عَقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ [البقرة: ۲۳۷]

”اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا، ہاں اگر عورتیں مہر بخش دیں یا مرد جن کے ہاتھ عقد نکاح ہے (اپنا حق) چھوڑ دیں (تو بہتر ہے)۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ **بَيْدَهُ عَقْدَةُ النِّكَاحِ** کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد شوہر ہے۔ جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے

نزدیک اس سے مراد ولی (سرپرست) ہے۔ رائج قول اوّل ہی ہے کیوں کہ آیت کا معنی اس پر دلالت کرتا ہے اور اس لیے بھی کہ اس بارے میں ایک حدیث بھی نبی اکرم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [اصول فی التفسیر، ص: ۳۳، ۳۴]

بَيْدَهُ عَقْدَةُ النِّكَاحِ کے بارے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں، ایک حدیث میں ہے:

اس سے مراد خاوند ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد عورت کے اولیاء (سرپرست) ہیں؟ فرمایا: نہیں، بلکہ اس سے مراد خاوند ہے اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و دیگر ائمہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لیے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا، توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں اسی طرح اس کے مہر کا معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں۔ [تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۸۴]

عرفی معنی کے شرعی ولغوی معنی سے اختلاف میں اصولی ترجیح
کسی لفظ کے لغوی اور شرعی معنی میں اختلاف کے وقت عموماً شرعی معنی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسی طرح شرعی اور عرفی معنی میں اختلاف کی صورت میں بھی شرعی معنی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ سید احمد عبدالغفار لکھتے ہیں:

”إذا دار اللفظ بين الحقيقة الشرعية والعرفية فالحقيقة الشرعية أولى لأن الشرع ألزم۔“
[ظاہرۃ التاویل وصلتها باللغة، ص: ۱۳۶، یہ موقف زرکشی نے برہان میں بیان کیا ہے۔ دیکھیے: ۲/۱۶۷]
”اگر لفظ شرعی اور عرفی حقیقت کے درمیان زیر گردش ہو تو شرعی حقیقت مقدم ہے کیوں کہ شرع کا التزام ضروری ہے۔“

اگر کسی لفظ کا شریعت میں معنی متعین نہ ہو یا لفظ کو شرعی معنی پر محمول نہ کیا جاسکتا ہو۔ تو لفظ کے عرف استعمال کی ضرورت پڑتی

ہے۔ جس سے اہل لغت کے ہاں کسی اسم کے وصفی مسمیٰ کو عرف استعمال میں مختص کر دیا جاتا ہے۔ مگر عرف استعمال کو عہد نبوی تک محدود کرنا ضروری ہے۔ [دیکھیے قواعد التفسیر: ۱/۱۵۲]

جس لغت اور عرف و عادت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول لوگوں کے مخاطب ہوئے اسی پر کلام کو محمول کیا جائے گا۔

[مجموع فتاویٰ: ۱۰۶/۷]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ولا يجوز أن يحمل كلامه على عادات حدثت بعده في الخطاب لم تكن معروفة في خطابه وخطاب أصحابه۔“ [ایضاً: ص: ۱۱۵]

”آپ کے کلام کو ان عادات پر محمول کرنا جائز نہیں جو مخاطبت کے لیے آپ (ﷺ) کے بعد رونما ہوئیں جو آپ کے اور آپ کے صحابہ کے مخاطب ہونے کے انداز میں نہیں پائی جاتی تھیں۔“

عرف غالب کے مطابق ہی نبی اکرم ﷺ لوگوں سے ہم کلام ہوتے۔ اس کی ایک مثال ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث مبارکہ ہے کہتے ہیں:

”كنا نعطيها في زمان النبي ﷺ صاعاً من طعام أو صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير أو صاعاً من زبيب۔“ [صحيح بخاری كتاب الزكاة: ۲۴، باب ۷۵ صاع من زبيب، ج: ۱۵۰۸]

”ہم نبی ﷺ کے زمانے میں صدقہ الفطر ایک صاع طعام (گندم) یا ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جو، یا ایک صاع منقہ دیا کرتے تھے۔“

ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ کلام طعام اور دیگر چیزوں میں فرق کا تقاضا کرتا ہے۔ خطابی نے بیان کیا ہے کہ یہاں طعام سے مراد گندم ہے۔ یہ لفظ اس کے لیے خاص ہے اس کی دلیل جو اور دیگر غذاؤں کا

تذکرہ ہے اور گندم کا ذکر سب سے پہلے ہے اگر طعام سے مراد گندم نہ ہوتی تو باقی غذاؤں کی تفصیل کا اسی طرح تذکرہ ہوتا خاص کر جب اس پر حرف عطف او (یا) فاصلے کے لیے آیا ہے۔ خطابی کے علاوہ دیگر علماء کہتے ہیں:

”وقد كانت لفظه الطعام تستعمل في الحنطة

عند الاطلاق حتى إذا قيل إذهب إلى سوق

الطعام فهم منه سوق القمح وإذا غلب العرف

نزل اللفظ عليه۔“ [فتح الباری: ۳/۳۷۳]

”جب طعام کا لفظ بولا جاتا تو اس سے مراد گندم ہوتی حتیٰ کہ اگر

کسی سے یہ کہا جاتا کہ طعام کے بازار جاؤ تو وہ اس سے گندم کا

بازار ہی سمجھتا۔ لفظ عرف غالب کے مطابق ہی آتا ہے۔“

تو معلوم ہوا کہ لفظ کا مفہوم اسی عرف کے مطابق لیا جاتا ہے جو عہد رسالت میں رائج تھا۔ ابن حجر لکھتے ہیں:

”إنما يحمل على العرف إذا ثبت أنه عرف

الشارع لا العرف الحادث۔“ [ایضاً: ۲/۲۰۹]

”لفظ کو عرف پر محمول کیا جائے گا جب ثابت ہو کہ وہ

شارع علیہ کا عرف ہے نہ کہ عرف حادث (بعد میں ظاہر

ہونے والا عرف)۔“

ابن نجیم نے قرآن پاک میں آنے والے الفاظ کے اسی مفہوم کو مقدم قرار دیا ہے جو عرف استعمال سے معلوم ہوتا ہو بالخصوص قسم کے مسائل میں لکھتے ہیں:

اگر کوئی آدمی قسم اٹھائے کہ وہ فرش پر نہیں بیٹھے گا اور نہ وہ سراج (چراغ) سے روشنی لے گا۔ اگر وہ زمین پر بیٹھ جاتا ہے اور سورج سے روشنی لیتا ہے تو وہ حائث (قسم توڑنے والا) نہیں ہوگا۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فراش (فرش) اور سورج کو سراج کہا ہے۔ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ وہ لحم (گوشت) نہیں کھائے گا وہ مچھلی کا گوشت کھانے سے حائث نہیں ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے

اسے قرآن میں لحم کہا ہے۔ اگر کوئی قسم کھائے کہ دابہ (جانور) پر سوار نہیں ہوگا لیکن وہ کسی کافر پر سوار ہو گیا تو حانث نہیں ہوگا اگرچہ اس کو اللہ تعالیٰ نے دابہ قرار دیا ہے۔ اگر کوئی قسم کھا کر کہے کہ وہ سقف (چھت) کے نیچے نہیں بیٹھے گا وہ آسمان کے نیچے بیٹھنے پر حانث نہیں ہوگا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو چھت کہا ہے۔ مگر بعض مسائل میں شرع عرف پر مقدم ہے۔

اولاً: نماز نہ پڑھنے کی قسم کھانے والا نماز جنازہ پڑھنے سے حانث نہیں ہوگا جیسا کہ اکثر کتب میں ہے۔

ثانیاً: اگر کوئی قسم کھالے کہ روزہ نہیں رکھے گا تو محض رکھنے سے حانث نہیں ہوگا۔ حانث تب ہوگا جب اپنے گھر میں نیت کے ساتھ طلوع فجر کے بعد کچھ دیر روزہ رکھے۔

ثالثاً: اگر قسم کھا کر کہے کہ وہ فلاں عورت سے نکاح نہیں کرے گا تو اس سے عقد کرنے سے حانث ہو جائے گا کیوں کہ شرعاً یہ عقد ہی نکاح کہلاتا ہے نہ کہ وطی کرنا۔ جیسا کہ کشف الاسرار میں ہے اس کے برعکس اگر کہے کہ اپنی بیوی سے نکاح نہیں کرے گا تو اس لفظ نکاح سے وطی مراد ہوگی۔

رابعاً: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ اگر میں نے ہلال دیکھا تو تجھے طلاق ہے تو اس کو بغیر دیکھنے کے نئے چاند کا علم ہو گیا تو لازماً طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیوں کہ شارع ﷺ نے روت سے مراد علم لیا ہے جیسا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے:

”صَوْمُؤَالِرُّؤُؤِئِئِهٖ وَأَفْطَرُؤَالِرُّؤُؤِئِئِهٖ -“ [سنن

نسائی، کتاب الصیام، باب صیام یوم الشک: ۱۵۵/۴،

ط: المطبعة المصرية بالازهر، صحیح سنن نسائی لناصر

الدین الالبانی، کتاب الصیام: ۲۲، باب: ۸-۱۲۹، ح:

۱۹۹۷-۱۹۹۹، ۲۰۰۵، ۲/ ۴۵۸، ۴۵۷- ط: ۱،

۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء، مکتب التریة العربی لدول الخلیج،

ریاض، مسند احمد: ۴/۳۲۱، المکتب الاسلامی، بیروت]

”چاند دیکھ کر روزے رکھنا شروع کرو اور چاند (عید کا) دیکھ کر ہی روزے رکھنا بند کرو“ [الاشباه والنظائر مع شرحه للحموی غمز عبین البصائر: ۱/۱۳۰]

جب ایک لفظ کو عرفی اور لغوی معنی میں سے کسی پر بھی محمول کرنا ممکن ہو تو اس کو عرفی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ زکشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اذا دار بین اللغویة والعرفیة فالعرفیة أولى

لطریانها علی اللغة -“ [البرهان: ۲/۱۶۷]

”اگر لفظ لغوی اور عرفی معنی کے درمیان گردش کرتا ہو تو عرفی معنی مقدم ہوگا کیوں کہ وہ لغت سے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔“ سید احمد عبدالغفار لکھتے ہیں:

إذا دار اللفظ بین الحقیقة اللغویة والحقیقة

فالعرفیة أولى لأن الجاری فی الاستعمال

والمستقر فی عرف الناس أولى بالأخذ به -“

[طاهرة التاویل وصلتها باللغة، ص: ۱۳۶]

”جب لفظ سے لغوی اور عرفی معنی لینے کا احتمال ہو تو عرفی معنی مقدم ہوگا کیوں کہ استعمال میں رائج اور لوگوں کے عرف میں پایا جانے والا معنی مراد لینا مقدم ہے۔“

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان عرف قوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

”عرف قوی سے مراد بعض وہ الفاظ ہیں جو لوگوں کے درمیان

معروف ہوتے ہیں۔“

یعنی جب وہ الفاظ بولے جاتے ہیں تو ان کا ایک خاص مفہوم

ہوتا ہے، جو اس مفہوم سے مختلف ہوتا ہے جس کے لیے وہ لفظ لغت

میں وضع کیے گئے ہیں۔ جیسے لفظ ولد کا اطلاق لڑکے پر ہوتا ہے لڑکی

پر نہیں، لفظ لحم (گوشت) کا اطلاق مختلف جانوروں کے گوشت پر

ہوتا ہے، لیکن مچھلی کے گوشت پر نہیں ہوتا۔ لفظ دابہ کا اطلاق صرف

چوپایوں پر ہوتا ہے، حالاں کہ اس کے لغوی معنی ہر وہ چیز ہے جو زمین

پر حرکت کرتی ہو۔ [ڈاکٹر عبد الکریم زیدان: الوجیز فی

اصول الفقہ، ص: ۳۹۵، ۳۹۶ (اردو ترجمہ: پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن) ط: مطبع مجتہائی پاکستان، لاہور]

مزید وضاحت کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

عرفِ قولی عام کی مثال لفظ دابتہ ہے جس کا اطلاق صرف چوپایوں پر ہوتا ہے، انسان پر نہیں ہوتا۔ اسی طرح لفظ طلاق ازدواجی تعلق کے ختم کرنے کے لیے مستعمل ہے۔ عرفِ قولی خاص کی مثال میں وہ سارے الفاظ پیش کیے جاسکتے ہیں جو اہل علم اصطلاح کے طور پر استعمال کرتے ہیں یا مختلف پیشوں اور صنعتوں کے لوگ اپنے اپنے پیشہ یا صنعت میں استعمال کرتے ہیں، اور وہ الفاظ یا اصطلاح ان کے پیشہ میں معروف ہوتی ہے، اور اس پیشہ سے متعلق ہر شخص اس کا مفہوم سمجھتا ہے۔ جب یہ لوگ ان الفاظ کا استعمال کرتے ہیں تو ان سے ان کی مراد اصطلاحی معنی ہوتے ہیں، نہ کہ لغوی۔ [ایضاً، ص: ۳۹۶]

لفظ دابتہ کی مثال دیتے ہوئے لفظی اور عرفی معنی کی وضاحت عاصم الحدادیوں کرتے ہیں:

اگر کسی جگہ..... مثال کے طور پر..... سب کے سب لوگ ”ڈنگر“ کا لفظ اونٹ کے لیے استعمال کرتے ہوں اور کوئی شخص قاضی کے سامنے اعتراف کرے کہ کسی دوسرے شخص کا اس کے ذمہ ”ڈنگر“ ہے تو قاضی اسے ایک اونٹ ہی ادا کرنے کا حکم دے گا، نہ کہ کوئی اور جانور جسے لغوی طور پر ”ڈنگر“ کہا جاسکتا ہے۔ [محمد عاصم الحداد: اصول فقہ پر ایک نظر، ص: ۱۶۱، ط: ۱۹۸۹ء، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور]

عرفی اور لغوی معنی میں اختلاف کی صورت میں عرفی معنی کی ترجیح کی ایک واضح مثال لفظ وفا ہے۔ ”وفی“ سے بننے والے تمام الفاظ میں کسی چیز کو پورا کرنا، پورا پورا لینا یا مکمل لینا کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الْوَفَى مَكْمَلٌ أَوْ پُورِی چیز کو کہتے ہیں، جیسے:

”دِرْهَمٌ وَافٍ، كَيْلٌ وَافٍ وَغَيْرَ ذَلِكَ أَوْفَيْتُ الْكَيْلَ

وَالْوَزْنَ -“

”میں نے ناپ یا تول کو پورا پورا دیا۔“

قرآن میں ہے:

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ﴾ [۳۵:۱۷]

”اور جب کوئی چیز ناپ کر دیئے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو۔“

وَلَفَى بَعْدَهُ (ض) وَقَاءً وَأَوْفَى اس نے عہد و پیمان پورا کیا۔ یعنی اس کی خلاف ورزی نہیں کی اس کی ضد غدر ہے۔ جو نقض عہد اور عدم وفا کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن قرآن میں اَوْفَى (افعال) استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿أَوْفُوا بِعَهْدِي أَوْفٍ بَعْدَكُمْ﴾ [۴۰:۲]

”اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا اور میں اس

اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا۔“

﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ﴾ [۹۱:۱۳]

”اور جب خدا سے عہد واثق کرو تو اس کو پورا کرو۔“

﴿بَلَى مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ﴾ [۷۶:۳]

”ہاں جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرے اور خدا سے ڈرے۔“

﴿وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا﴾ [۱۷۶:۳]

”اور جب عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں۔“

﴿يُؤْفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ [۷:۷۶]

”یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں۔“

﴿وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ﴾ [۱۱۱:۹]

”اور خدا سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔“

اور آیت ﴿وَابْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى﴾ [۳۷:۵۳] اور

براہیم کہ جنہوں نے (حق طاعت و رسالت) پورا کیا۔“

وَفَّى سے جن باتوں کے پورا کرنے پر متنبہ کیا ہے وہ وہی ہیں

جن کی طرف کہ آیت

﴿وَإِذْ بَتَلَّىٰ أَبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ﴾ [۱۲۴:۲]

”اور جب پروردگار نے چند باتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔“
میں ارشاد فرمایا ہے۔ اور تَوْفِيقَةُ الشَّيْءِ کے معنی بلا کسی قسم کی کمی کو پورا پورا کر دینے کے ہیں اور اسْتِيفَاء کے معنی (اپنا حق) پورا لے لینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:

﴿وَوَقَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ [۲۵:۳]

”اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔“

﴿وَأَنَّمَا تَوْفُونُ أَجُورَكُمْ﴾ [۱۸۵:۳]

”اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔“

﴿أَنَّمَا يُوقَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [۱۰۰:۲۹]

”جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب ملے گا۔“

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَتْهَا نُوفٍ إِلَيْهِمْ

أَعْمَالُهُمْ فِيهَا﴾ [۱۵:۱۱]

”جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں میں پورا پورا دے

دیتے ہیں۔“ [المفردات، ص: ۹۸۷]

موت کے لیے وفاة کا لفظ استعمال کرنا عرفی معنی کی وجہ سے ہے کہ عرفاً وفات صرف روح نکالنے کا نام ہے ورنہ لغت میں روح مع جسم اٹھا لینا وفاة کہلاتا ہے۔ راغب اصفہانی کی مذکورہ بالا وضاحت کو مد نظر رکھ کر درج ذیل آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عرفی معنی کو لغوی معنی پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي

مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ

الْآخَرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْقَوْمِ

يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الزمر: ۴۲]

”اللہ تعالیٰ لوگوں کے مرتے وقت ان کی روہیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں (ان کی روہیں) سوتے ہیں (قبض کر لیتا ہے)۔ پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روہوں کو ایک وقت مقرر تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔“

☆.....☆☆☆.....☆

درس قرآن وحدیث

۱۳ مارچ ۲۰۰۷ء بروز منگل بعد از نماز عصر مفتی اسلام

جناب مولانا مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ آف لاہور، درس قرآن

وحديث ارشاد فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ

اہل علم سے شرکت کی پرزور اپیل کی جاتی ہے۔

پتا: مرکز امام محمد بن اسماعیل البخاری اہل حدیث،

گندھیاں اوتاڑ، نزد بھوئے آصل (ضلع قصور)

الداعی الی الخیر

قاری محمد ادریس ثاقب، مدیر جامعہ ہذا

مولانا محمد عبد اللہ گورداس پوری رحمہ اللہ کا اطلاعی خط

بروفات مولانا محمد افضل پورے والا

محترم ایڈیٹر صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے دیرینہ و پارینہ ساتھی حضرت مولانا محمد افضل فرید

کوٹی صدر وہابی جامع اہل حدیث بور یوالہ ضلع وہاڑی ۳ مارچ

۲۰۰۷ء بروز جمعہ المبارک بعد نماز فجر صبح چھ بجے انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اغفرلہ وادخلہ الجنة

الفردوس۔ احباب سے دعائے مغفرت کی گزارش ہے۔

[محمد عبد اللہ گورداس پوری، جامع اہل حدیث بور یوالہ]

مدد صرف اللہ مشکل کشا سے

مولانا عبدالرحمن ضیاء (مدرس شیخ الاسلام ابن تیمیہ، لاہور)

انسانوں کا علم شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ کے نزدیک

کشف المحجوب کے مصنف شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ جنہیں عام اُن پڑھ لوگ داتا گنج بخش کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

کوئی شخص یا ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی اپنے اور دوسرے انسانوں کے نزدیک علم میں خواہ کتنا ہی کمال حاصل کر لیں، لیکن ان کے اس علم کی ایک حد ہے، اور اصل علم جو صرف خدا کے پاس ہے اس کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انسانی علم کا تو حال یہ ہے تمام انسان مل کر بھی خدا کی کائنات کے ایک ذرے تک کے بارے میں پورا علم رکھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ انسانی علم کا اصل کمال یہی ہے کہ وہ یہ جان لے کہ فی الحقیقت وہ کچھ نہیں جانتا جیسا کہ پیارے نبی کریم ﷺ نے اللہ سے عرض کیا: «لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ»

یعنی ”خدا یا میں تیری صفات بیان کرنے سے قاصر ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے تو صرف اپنی نعمتوں اور کلمات کے بارے میں فرمایا:

﴿وَأَنْ تَعْلَمُوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصَوْهَا﴾ [ابراہیم: ۳۴]

”اگر تم اللہ کی نعمتوں کو صرف شمار کرنے لگو تو ان کو شمار نہیں کر سکتے۔“ اور فرمایا:

﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جُنُفًا بِمِثْلِهِ مَدَدًا﴾

[الکہف: ۱۰۹]

”یعنی اگر میرے رب کے کلمات کو لکھنے کے لیے تمام سمندر سیاہی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے مگر میرے رب کے کلمات ختم نہیں ہوں گے خواہ ان کے ساتھ اتنے ہی سمندروں کی اور بھی سیاہی کیوں نہ بنالی جائے۔“

[کشف المحجوب صفحہ: ۷۸، ترجمہ میاں طفیل محمد

بی اے ایل ایل بی]

نیز فرماتے ہیں کہ یہ جان لو کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی خدا کے ساتھ اس کے سارے علم میں شریک نہیں۔ [ص: ۱۷]

کشف المحجوب کے شارح الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری لکھتے ہیں:

اگرچہ رسول خدا ﷺ کا علم بہت بہت اور بہت ہی زیادہ اور وسیع ہے لیکن حق تعالیٰ کی کل کائنات اور حق تعالیٰ کی ذات و صفات کو احاطہ میں نہیں لاسکتا، اسی لیے اس آیت کریمہ ﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ میں لفظ قلیل استعمال کیا گیا ہے۔ [ص: ۱۶۰]

اور انہوں نے صفحہ ۱۵۹ پر اس آیت کا ترجمہ خود ہی کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”اور ہم نے آپ کو جو علم عطا کیا ہے وہ قلیل ہے۔“

[صفحہ: ۱۵۹، از شرح کشف المحجوب]

شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ صاحب بھی عالم الغیب نہیں ہیں چنانچہ اپنی مشہور کتاب کشف المحجوب کے ایک مقام پر فرماتے ہیں:

”میں علی بن عثمان الجلابی کہتا ہوں کہ مجھے اس خواجہ کے الفاظ اچھی طرح یاد نہیں ہیں۔“ [دیکھیے صفحہ ۴۹۶ مع شرح]

کیا پاکستان یا دنیا کے کسی خطے میں جو پیر طریقت، گدی نشین اور مرشد رہتے ہیں جن کی وفات کے بعد ان کے قبے بنتے ہیں اور ان کے متعلق لوگوں کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ ہر طرح کی مشکلات حل کرنے پر قادر ہیں، وہ دور سے بھی سن لیتے ہیں اور ان کے مرید انہیں مشکل کشا ہی کہتے، اور پکارتے ہیں۔ کیا وہ اپنی دنیاوی زندگی میں میدانِ عرفات میں ان تمام لاکھوں حجاج کی دعائیں سن سکتے ہیں؟ کیا ان سب کی بولیاں سمجھ سکتے ہیں؟ کیا ان کی مشکلات حل کرنے پر قدرت رکھتے ہیں؟ کچھ تو سوچو! فرض کرو کسی پیر یا گدی نشین اور مرشد نے اپنے خاص مریدوں کے موبائلوں کے ہی فون نمبر اپنے عام مریدوں کو دیئے ہوئے ہوں۔ پیر صاحب کے پاس مثلاً چار خاص مرید اپنے موبائل لے کر بیٹھے ہوں اور بیک وقت چاروں موبائلوں سے پیر کو فون آ جائیں تو پیر صاحب کو بیک وقت دو موبائل اپنے دونوں کانوں سے لگا کر اپنے دو مریدوں سے بیک وقت ہم کلام ہونے کی طاقت نہیں چار کی کیسے سن سکتے ہیں؟ کیوں کہ ان کے چار کان نہیں کہ وہ چاروں موبائل بیک وقت اپنے چاروں کانوں کے ساتھ لگائیں جب وہ دو چار مشکل میں پھنسے ہوئے مریدوں کی پکار موبائل کے ذریعہ بھی بیک وقت نہیں سن سکتے تو مشکلات و مصائب میں پھنسے ہوئے ہزاروں مریدوں کی پکاریں موبائل کے بغیر کیسے سن سکتے ہیں؟

فاعتبروا یا اولی الابصار

اللہ تعالیٰ تو اپنے نبی کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ فرما دیجیے کہ ﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا﴾

”میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو

بھی شریک نہیں بناتا۔“ [الجن: ۲۰]

ادھر آج کا مسلمان بھی ہے کہ مصیبت پہنچی بھی نہیں ہوتی مسجد

میں ہوتا ہے لاؤ ڈسکیل کھولتا ہے اپنا شوق پورا کرنے کے لیے کہتا ہے:

اے مولیٰ علی شیر خدا میری کشتی پار لگا دینا
کیا شان تمہاری شیر خدا میری کشتی پار لگا دینا
ہم تم پہ فدا محبوب خدا میری کشتی پار لگا دینا
اللہ کے پیارے شیر خدا میری کشتی پار لگا دینا

میں کہتا ہوں جو تھک جائے وہ مشکل کشا نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے ایام حج میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھیجا تھا کہ وہ یہ اعلان کریں کہ

①..... اب آئندہ چار ماہ کے بعد سے اللہ اور رسول کا ہر مشرک سے معاہدہ ختم ہے۔

②..... اگلے سال کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔

③..... اگلے سال بیت اللہ کا طواف کوئی عریاں حالت میں نہیں کر سکے گا۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایام تشریق (حج کی ۱۲، ۱۳، ۱۴ تاریخ) میں اعلان کرتے رہے اعلان کر کر کے وہ تھک گئے پھر حضرت ابو بکر اعلان کرنے لگے۔ چنانچہ جامع ترمذی کے لفظ ہیں:

”وَكَانَ عَلِيٌّ يُنَادِي فَإِذَا عَمِيَ قَامَ أَبُو بَكْرٍ فَنَادَى

بِهَذَا -“ [کتاب التفسیر، باب تفسیر سورة التوبه،

رقم: ۳۰۹۱]

نیز اعلان کرتے کرتے ان کی آواز ہی کمزور پڑ گئی تھی۔

[سنن نسائی، رقم: ۲۹۶۱]

نیز پانی کی مشقیں اٹھا اٹھا کر ان کے سینے میں درد ہونے لگ

گیا تھا۔ [دیکھیے، مسند احمد: ۱/۱۰۶]

جو تھک جائے وہ مشکل کشا الہ نہیں ہو سکتا اور نہ تھکنا اللہ تعالیٰ

کی شان اور اس کا خاصہ ہے، فرمایا:

﴿وَلَا يَتُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾

”اور آسمان اور زمین کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ کو بالکل نہیں

نیز فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۖ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ﴾ [ق: ۳۸]

”اور البتہ تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں بنایا ہے اور ہمیں ذرہ بھر بھی تھکاؤ نہیں پہنچی۔“

ثابت ہوا کہ اللہ ہی مشکل کشا ہے، وہی غوثِ اعظم ہے، وہی داتا ہے، وہی غریب نواز ہے۔

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ [آل عمران: ۱۶۶]

”مدد اسی کے پاس سے آتی ہے۔“

آپ فرض کریں کہ کسی ایک پیر کے چار مرید ہوں ایک مرید مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں رہتا ہو، ایک شمال میں اور ایک جنوب میں رہتا ہو، اور ان سب کو بیک وقت اپنے مشکل کشا سے مشکل کشائی کی ضرورت پڑ گئی ہو۔ وہ بیک وقت اس کو پکاریں کیا وہ بیک وقت ان کی مشکل کشائی کرنے پر قادر ہوگا؟ وہ کیسے ان کی مشکل حل کرے گا؟ دنیا کی زندگی میں تو وہ بیک وقت ان چاروں کی آواز سننے پر قدرت نہیں رکھتا تھا اور ان کی مشکل کو حل کرنے پر قادر نہیں تھا بلکہ اس میں تو اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ وہ بیک وقت ان کی بات کو سن اور سمجھ سکے۔ کیا پیر صاحب کی دنیاوی زندگی میں بھی انہوں نے کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیک زبان ان سے مخاطب ہو کر باتیں کی ہیں؟ کیا اس طرح ان کے مشکل کشا پیر صاحب ان کی بات کو سمجھ جاتے تھے؟ بلکہ دنیا کی زندگی میں تو پیر مرشد صاحب کو اس طریقہ سے مخاطب کرنا اس کی توہین اور گستاخی و بے ادبی ہی سمجھا جاتا ہے۔

ادھر دیکھیے غزوہ احزاب (خندق) میں ایک طرف تو مسلمانوں سے یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ نے بدعہدی کی ہوئی تھی

اور دوسری طرف مسلمانوں کی عورتیں شاعر اسلام حسان بن ثابت کے فارغ نامی قلعے کے اندر تھیں۔ اس کے بعد بنو قریظہ کے یہود مشرکین کی حمایت میں عملی طور پر جنگی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فارغ نامی قلعے کے اندر تھیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ وہیں تھے۔ حضرت صفیہ کہتی ہیں کہ ہمارے پاس سے ایک یہودی گزرا اور قلعے کا چکر کاٹنے لگا یہ اس وقت کی بات ہے جب بنو قریظہ رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑ کر آپ سے برسرِ پیکار ہو چکے تھے اور ہمارے اور ان کے درمیان کوئی نہ تھا جو ہمارا دفاع کرتا۔ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سمیت دشمن کے بالمقابل مشغول ہوئے تھے۔ اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہو جاتا تو آپ انہیں چھوڑ کر آ نہیں سکتے تھے اس لیے میں نے کہا:

”اے حسان رضی اللہ عنہ! یہ یہودی جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، قلعے کا چکر لگا رہا ہے اور مجھے خدا کی قسم! اندیشہ ہے کہ یہ باقی یہود کو بھی ہماری کمزوری سے آگاہ کر دے گا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس طرح مشغول ہوئے ہیں کہ وہ ہماری مدد کو نہیں آ سکتے۔ لہذا آپ جاییں اور اسے قتل کر دیجیے۔“

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ! آپ جانتی ہیں کہ میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں، حضرت صفیہ کہتی ہیں اب میں نے خود اپنی کمر باندھی۔ پھر ستون کی ایک لکڑی لی اور اس کے بعد قلعے سے اتر کر اس یہودی کے پاس پہنچی اور لکڑی سے مار مار کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد قلعے میں واپس آئی اور حسان سے کہا جاییں اس کے ہتھیار اور اسباب اتار لیجیے۔ چوں کہ وہ مرد ہے اس لیے میں نے اس کے ہتھیار نہیں اتارے۔ حسان نے کہا، مجھے اس کے ہتھیار

اور سامان کی کوئی ضرورت نہیں۔ [الرحیق: ۴۱۸]

اگر تم کہتے ہو کہ جو دنیا میں عالم اسباب کے تحت کسی کی مدد

کرنے پر قادر ہے اور اس سے یہ نتیجہ کشید کرو کہ اسے مشکل کشا کہا جائے گا اور اسے غیبی مدد کے لیے بھی پکارا جائے گا تو تمہارا یہ کہنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ کیوں کہ دنیا میں کوئی سرمایہ دار کسی کو کتنا بھی دافر مال کیوں نہ دے دے لیکن پھر بھی وہ غیبی خزانے دینے پر قادر نہیں ہوتا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک میں بے بہا مال خرچ کیا تھا، بہت امداد دی تھی، پالان اور کجاوے سمیت ان کے اونٹوں کی تعداد (۹۰۰) تھی، ایک سو گھوڑے تھے اور نقدی کی مقدار معلوم ہی نہیں۔ [الرحیق المختوم، ص: ۵۸۳]

دوسو اوقیہ (تقریباً ۱۲، ۲۹ کلو چاندی اور ہزار دینار تقریباً ۱۲، ۵ کلو سونے کے سکے) لکھا ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں (اپنے ہاتھوں) اٹلتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

”مَا ضَرَّ عُمَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ“

[جامع ترمذی، مناقب عثمان، رقم: ۳۷۰۱]

”آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں انھیں ضرر نہ ہوگا۔“

”آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انھیں نقصان نہ ہوگا۔“ دوسو اوقیہ عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے دیئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال حاضر خدمت کر دیا۔ اور وہ سارا مال ہزار درہم تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال خیرات کیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت سارا مال لائے۔

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ ۹۰ وسق (یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کلو ۱۲، ۱۳ ٹن) کھجور لے کر آئے۔ عورتوں نے بھی اپنے زیورات

دیئے۔ [الرحیق المختوم: ۵۸۴]

یہ تو تھا عالم اسباب میں ان کا تعاون ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ کے تحت، لیکن چون کہ وہ اللہ کے خزانوں کے مالک نہ تھے اسی لیے وہ عالم اسباب کے ماوراء غیبی مدد کرنے پر قادر نہ تھے۔ اسی لیے ان میں سے کسی کو کسی صحابی نے غیبی طور پر مشکل کشا سمجھ کر

نہیں پکارا اور نہ ہی کسی کو غوث اعظم، داتا، غریب نواز یا دیگر لقب دیا۔ کیوں کہ وہ انہیں غیبی طور پر مدد کرنے پر قادر نہ سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ غزوہ تبوک کا لشکر بہت بڑا تھا۔ تین ہزار افراد پر مشتمل تھا اس سے پہلے مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر کبھی فراہم نہ ہوا تھا۔ مسلمانوں نے دل کھول کر خرچ کیا تھا لیکن اس کے باوجود لشکر کو پوری طرح تیار نہ کر سکے تھے۔ بلکہ سواری اور توشہ کی سخت کمی تھی۔ چنانچہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے لیے ایک ایک اونٹ تھا جس پر یہ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اسی طرح کھانے کے لیے بسا اوقات درختوں کی پتیاں استعمال کرنی پڑتی تھیں۔ جس سے ہونٹوں میں ورم آ گیا تھا مجبوراً اونٹوں کو قلت کے باوجود ذبح کرنا پڑا تا کہ ان کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری پی جا سکے۔ اس لیے اس کا نام جیش عسرت (تنگی کا لشکر) پڑ گیا۔

[الرحیق، ص: ۵۸۴، ۵۸۵]

آپ حضرات دیکھیں اگر وہ اتنا بے تحاشا مال خرچ کرنے والے سب سے بڑے اولیائے کرام یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عالم اسباب سے ہٹ کر مشکل حل کرنے کے مالک اور مشکل کشا ہوتے تو ایسے کٹھن اور سخت وقت میں غیبی طور پر ہر شخص کے لیے ایک ایک اونٹ مہیا کر لیتے۔

پھر دیکھیے اور غور کیجیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اَلْمُغْنِی (غریب نواز) یا اَلْمُعْطٰی یا اَلْكَرَّازِی (داتا صاحب) نہیں کہا گیا جن کو یہ لوگ مشکل کشا یا داتا یا اولاد دینے والے یا غریب نواز کہتے ہیں ان کی اکثر کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کے پاس مال نہیں ہوتا۔ ان کے داتا علی، مجبوری خود فرماتے ہیں:

اے علی! مخلوق تجھے داتا اور گنج بخش کے نام سے یاد کرتی ہے حالاں کہ تو اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھتا۔ گنج بخش اور رنج بخش ذات حق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کہ بے چوں و بے چگوں ہے اور بے شبہ و بے تمون ہے۔ شرک مت کر جب تک کہ تو زندگی بسر کرے وہ ذات حق

ہر طرح یکتا ہے اس کا کوئی بھی شریک نہیں۔

[کشف الاسرار از علی ہجویری، ص: ۲۸، ۲۹]

پھر یہ بات بھی یاد رکھیے گا کہ ان کے داتا علی ہجویری صاحب تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ”اس ذاتِ حقیقی کے روبرو ہمیشہ عاجزی سے دعا مانگنا چاہیے۔ غنی کا نام صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے شایانِ شان ہے اور مخلوق کو اس اللہ کے نام سے پرہیز کرنا چاہیے۔“

[ص: ۴۳، از کشف الاسرار]

یہ اقوال زریں کشف المحجوب سے ماخوذ ہیں جو کشف الاسرار کے آخر میں مطبوع ہیں۔

اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے نزدیک لغنی نام رکھنا ٹھیک نہیں کیوں کہ یہ نام اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے تعجب ہے کہ لوگوں نے ہجویری صاحب کا نام داتا گنج بخش رکھ دیا حالاں کہ یہ وصف اللہ کے شایانِ شان ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کسی پیر کے مرید کے پاس برتن نہیں اور وہ ہزاروں میل دور سے اپنے پیر صاحب سے برتن مانگ رہا ہو۔ حالاں کہ پیر صاحب قبر میں مدفون ہوں تو کیا وہ اسے برتن دے دیں گے؟ پیر صاحب کو تو جب دفن کیا گیا تھا تو خالی ہاتھ ہی دفن کیا گیا تھا جس کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہو وہ دوسرے کی مدد کیسے کر سکتا ہے؟

ادھر دیکھو صحابی رسول ابو ثعلبہ حشنی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ رہے ہیں کہ ہم سفر میں ہوتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ سے اور مجوس کے پاس سے ہمارا گزرنا ہوتا ہے اور ہمارے پاس برتن نہیں ہوتے، کیا ہم ان کے برتن استعمال کر لیا کریں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ان کے برتنوں کے علاوہ کوئی اور برتن نہ پاؤ تو ان کے برتنوں کو پانی کے ساتھ دھو کر ان میں کھاپی لیا

کرو۔ [ترمذی ابواب الصیّد، باب: ۱]

آپ نے اپنے اس صحابی ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو یہ نہیں فرمایا کہ غیبی

طور پر مجھ سے مانگ لیا کرو۔ فافہرما

اللہ تعالیٰ مشکل کشا کی یہ شان ہے کہ

﴿يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي

شأنٍ﴾ [الرحمن: ۲۹]

آسمان اور زمین والے اس سے مانگتے ہیں ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔“

ہر روز کا مطلب، ہر وقت ہے۔ شان سے مراد امر یا معاملہ ہے یعنی ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں ہوتا ہے (بیک وقت وہ اربوں کھربوں اور لامتناہی کام کر لیتا ہے) کوئی بھی کام کرنا اسے دوسرے کام سے غافل نہیں کرتا۔ کسی کو بیمار کر رہا ہے کسی کو شفا یاب، کسی کو تو نگر بنا رہا ہے کسی کو نگر کو فقیر، کسی کو گدا اسے شاہ اور شاہ سے گدا، کسی کو بلندیوں پر فائز کر رہا ہے، کسی کو پستی میں گر رہا ہے، کسی کو ہست سے نیست اور نیست کو ہست کر رہا ہے وغیرہ۔ الغرض کائنات میں یہ سارے تصرفات اسی کے امر و مشیت سے ہو رہے ہیں اور شب و روز کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو اس کی کارگزاری سے خالی ہو۔

﴿الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ﴾

[آل عمران: ۲۵۵]

[دیکھیے تفسیر، احسن البیان]

○○.....✻✻✻.....○○

اعلانِ داخلہ

حفظ و ناظرہ و ترجمۃ القرآن الکریم کے لیے جامع مسجد المنور و مدرسہ تنویر القرآن میں داخلہ جاری ہے۔ بیرونی طلباء کے لیے رہائش اور کھانے کا انتظام بھی ہے۔

حافظ عبدالرؤف رحمانی و انتظامیہ مسجد ہذا

جامع مسجد المنور، مدرسہ تنویر القرآن، ۱۴۔ نکلسن روڈ، لاہور

فون: 042-6365526

پیکر صدق و صفا

جناب عطاء اللہ عطاء

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز کہ پھر ترا وقت سفر یاد آیا
برادر عزیز جناب عطاء اللہ عطا جو مولانا قاری نعیم الحق نعیم رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی ہیں، نے اپنے برادر عزیز پر یہ نگارشات
ارسال کی ہیں جنہیں جذبات بھی کہا جاسکتا ہے لیکن ہیں واقعات! ہماری خواہش بلکہ ان سے یہ درخواست ہے کہ وہ ماضی
کے بھولے ہوئے گوشے کرید کر اپنے برادر عزیز کے مزید واقعات قلم بند کریں کہ ان شاء اللہ قطرہ قطرہ دریاے شہود ایسے ہی
ہو جائے گا۔ (الاعتصام)

تھا گھر میں تنازع اٹھ کھڑا ہوا۔ والدین نے اعلان کر دیا کہ انہیں سکول
کے بجائے دینی مدرسے میں تعلیم دلوائیں گے۔ والدہ صاحبہ کا خاص طور
پر اصرار تھا کہ وہ اپنے اس سب سے چھوٹے بچے کو حافظ قرآن بنائیں
گی۔ والد صاحب بھی چاہتے تھے کہ وہ اپنے دوسرے لڑکوں کے برعکس
نعیم کو دفتری بابو بنانے کی بجائے عالم دین بنائیں گے۔

ہم تین بھائی جو حافظ صاحب سے بڑے تھے اس بات پر مصر
تھے کہ چھوٹے بھائی کو بھی سکول میں داخلہ دلوانا چاہیے۔ ہمارے
خیال میں دینی مدرسے میں داخلہ لینے سے بھائی کا معاشی مستقبل
مخدوش ہو جاتا کیوں کہ ہمارے علم میں تھا کہ ان دنوں مساجد یا دینی
مدرسوں کے طلباء مختلف گھروں سے کھانا اکٹھا کرتے اور یوں جسم
وجان کا رشتہ قائم رکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک روزی کمانے کا یہ کوئی
باقراطر یقہ نہیں تھا۔ والدین اپنے فیصلے پر قائم رہے اور ہمیں صاف
بتا دیا کہ انھوں نے ہم تین بھائیوں کو دنیاوی تعلیم دلوائی ہے جس کی بنا
پر ہم معاشی طور پر خود کفیل ہو جائیں گے۔ لیکن چوتھے بیٹے کو وہ
بد حالی میں دین کی خدمت کے لیے وقف کرنا چاہتے ہیں۔ والد
صاحب نے حکماً کہا کہ اول تو اللہ تعالیٰ دین کی خدمت کرنے والوں

آج مرحوم بھائی حافظ نعیم الحق نعیم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے
ہوئے پرانے زخم پھر سے تازہ ہو گئے ہیں اور اس خونی حادثے کی یاد
نئے سرے سے جاگ اٹھی ہے، جس نے ہماری قیمتی متاع ہم سے چھین
لی۔ تاہم اس وقت مقصود ان تلخ یادوں کو دہرانا نہیں ہے بلکہ میں برادرانہ
تعلق کے حوالے سے مرحوم کی زندگی کے کچھ ایسے گوشے بے نقاب کرنا
چاہتا ہوں جو شاید دوسروں کے لیے دل چسپی کا باعث ہوں۔

حافظ صاحب کا نام محمد نعیم رکھا گیا تھا جسے بعد میں انھوں نے از
خود تبدیل کر کے نعیم الحق رکھ لیا۔ شاید محمد نعیم نام میں شرعی لحاظ سے کوئی
قابل اعتراض بات تھی۔ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے انہیں گود
کھلایا۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ ان کی عمر تین چار سال تھی جب میں نے
انہیں حروف تہجی اور اعداد کی گنتی یاد کرانا شروع کی۔ ہونہار بروا کے چکنے
چکنے پات، انھوں نے اس سرعت سے یہ کام انجام دیا کہ گھر والے
حیران رہ گئے۔ حروف تہجی میں سے یا اعداد کی گنتی میں سے کسی مرحلے
پر حافظ صاحب کچھ یاد کر لیتے تو میں خوشی سے گھر بھر میں اعلان کر دیتا
اور گھر کے تمام افراد ان سے زبانی سن کر اس خوشی میں شریک ہو جاتے۔
پانچ چھ سال کی عمر میں جب ان کا سکول میں داخلہ لینے کا وقت

کو محتاج نہیں رکھتا۔ تاہم اگر خدا نخواستہ نعیم کے معاملے میں ایسی صورتِ حال پیش آئی تو یاد رکھو ہمارے بعد آپ تینوں بھائی اس کی کفالت کے ذمہ دار ہوں گے۔ اب مزید کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں تھی۔ ہم تینوں بھائیوں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ اگر ایسی نوبت آئی کہ چھوٹے بھائی کے لیے باوقار طریقے سے روزی کمانا مشکل ہو گیا تو ہر طرح سے اس کی مدد کریں گے۔

والدہ صاحبہ کے شوق کا یہ عالم تھا کہ نعیم کو خود ہی مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں چھوڑ آئیں۔ مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے والد اور والدہ دونوں کے استاد تھے۔ دونوں نے قرآن مجید ناظرہ انہی سے پڑھا تھا۔ گھر سے مسجد کا فاصلہ خاصہ تھا اور پانچ چھ سال کی عمر کے بچے کے لیے روزانہ اکیلے آنا جانا ممکن نہیں تھا۔ گھر کے تمام افراد کی اپنی اپنی مصروفیات تھیں۔ والد صاحب کار بار کے سلسلہ میں دن بھر مصروف رہتے۔ سب سے بڑے بھائی مطیع اللہ جو ریلوے میں ملازم تھے روزانہ صبح سویرے منہ اندھیرے لاہور کے لیے گاڑی پکڑنے ٹیشن روانہ ہو جاتے اور شام کو واپس آتے۔ ان سے چھوٹے بھائی امان اللہ کالج روانہ ہو جاتے اور میں سکول چلا جاتا۔ یوں چھوٹے بھائی کو مسجد چھوڑنے اور واپس لانے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اب یہ والدہ صاحبہ کی ہمت تھی یا ان کا شوق فراواں کہ انھوں نے یہ ذمہ داری قبول کی اور روزانہ باقاعدگی سے اپنے لاڈلے کو صبح مسجد چھوڑ آتیں اور سہ پہر کو واپس لے آتیں۔ تا آنکہ وہ اس عمر کو پہنچ گیا کہ خود ہی اکیلا آنے جانے لگا۔

درسِ نظامی کے چند سال جو حافظ صاحب نے جامعہ محمدیہ میں مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی گزارے ان کے حوالے سے چند واقعات بیان کروں گا۔ حافظ صاحب کے حفظ قرآن پر گھر والوں نے بے پناہ خوش منائی۔ درسِ نظامی کی تحصیل کے سلسلہ میں بھی وقتاً فوقتاً خبریں ملتی رہیں کہ نہایت ذہین طالب علم کے طور پر نام پیدا کر رہے ہیں۔ شاید اسی لیے درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد انھیں مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا اور انھوں نے والدہ صاحبہ کو حج کرایا۔ والد

صاحب جو اس دوران وفات پا چکے تھے ان کا حج بدل بھی ادا کیا۔ حافظ صاحب کی درسِ نظامی کی تحصیل کے دوران ہی مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دن حافظ صاحب گھر آئے تو زار و قطار رو رہے تھے اور ان کی کھکھی بندھی ہوئی تھی۔ آج کل ہم لوگوں کے تصور میں استاد کا احترام تو شاید ہو مگر استاد سے اس قدر قلبی لگاؤ کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ حافظ صاحب کی اس وقت کی کیفیت دیکھ کر ایک عظیم استاد اور ایک ہونہار شاگرد دونوں کے ارفع و اعلیٰ کردار کی روشن مثال سامنے آتی ہے۔

حفظ قرآن کے بعد حافظ صاحب نے پہلی دفعہ گوجراں والا کے نواحی قصبہ قلعہ دیدار سنگھ میں نماز تراویح میں قرآن مجید سنایا۔ اس زمانے کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ قلعہ دیدار سنگھ میں ایک گھر میں جنات کا بسیرا تھا۔ جنات نے گھر والوں کے ہاتھ باقاعدہ پیغام بھیج کر حافظ صاحب کو بلایا اور ان سے قرآن مجید سنا۔

حافظ صاحب نے پرائیویٹ طور پر ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد بی اے، ایم اے کا بھی ارادہ تھا مگر اس دوران جنرل ضیاء الحق کے دور میں درسِ نظامی کی سند کو ایم اے کی ڈگری کے مساوی قرار دے دیا گیا اس لیے انھوں نے بی اے ایم اے وغیرہ کا خیال چھوڑ دیا۔

درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد ان کی ملازمت کا دور شروع ہوا۔ انہیں گوجراں والا سے لاہور روزانہ سفر کا آغاز کرنا پڑا۔ میں بھی ریلوے میں اپنی ملازمت کے سلسلہ میں پہلے ہی اس مشق کا عادی تھا۔ اب ہم دونوں بھائی اکٹھے ہی سفر کرتے۔ حافظ صاحب پہلے تو مولانا عبدالرحمن مدنی صاحب کے دینی مدرسے میں معلم کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے بعد ازاں ادارہ الاعتصام سے منسلک ہو گئے۔ انہیں مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد عقیدت تھی جس کا اظہار وہ اکثر و بیشتر مجھ سے کیا کرتے۔ ان سے سن کر ہی غائبانہ طور پر مجھے بھی بڑے مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت ہو گئی اگرچہ ان سے میری ملاقات ایک دو دفعہ ہی رہی۔ گوجراں والا سے لاہور روزانہ سفر کے دوران حافظ صاحب کے بہت سے لوگ دوست

بن گئے۔ مختلف الخیال حضرات سے نظریاتی و مسلکی گفتگو اور بحث و مباحثہ ہوتا رہتا اور وہ نہایت تخیل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے۔ اشتعال انگیزی یا گرما گرمی کی نوبت نہ آنے دیتے۔ اسی معتدل مزاجی کی وجہ سے انھوں نے دوستوں میں بے حد احترام کمایا۔

بیس بائیس سال کی عمر میں حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کمر درد کی شکایت ہوئی، شہر کے مشہور ڈاکٹر سے مشورہ کیا تو اس نے ہڈیوں کی ٹی بی تشخیص کی۔ لاہور میں بھی ایک دو ڈاکٹروں کو دکھایا تو انھوں نے بھی یہی بات بتائی۔ سخت پریشانی لاحق ہوئی، علاج معالجہ جاری رہا مگر افاقہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ یہاں حافظ صاحب کے عزم و ہمت کی نمایاں مثال سامنے آتی ہے کہ انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ حکمت میں کامل درک حاصل کر کے اپنا علاج خود کریں گے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے طبیہ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔ کالج میں ان کی ملاقات ایک قابل اور اجل حکیم محمد صدیق شاہین صاحب مرحوم سے ہو گئی۔ انھوں نے حافظ صاحب کی نبض دیکھ کر پورے وثوق سے بتایا کہ ڈاکٹروں کی تشخیص غلط ہے۔ ہڈیوں کی ٹی بی نہیں بلکہ معمولی ریاح کا مسئلہ ہے۔ انھوں نے چند روز کے لیے مخصوص غذا تجویز کی جس کے استعمال سے حافظ صاحب مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے طبیہ کالج کو خیر باد کہا کیوں کہ ان کا اصل مقصد پورا ہو چکا تھا۔

اب حافظ صاحب کی شادی کا مسئلہ تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کی شریکہ حیات بھی ان کی طرح دینی ذہن کی مالک ہو۔ الحمد للہ کہ ان کی یہ خواہش پوری ہوئی اور ان کے لیے حسب دل خواہ رشتہ مل گیا۔ شادی کے بعد حیات انھوں نے مطمئن از دوا جی زندگی گزاری۔

گو جراث و الا سے لاہور گاڑی کا سفر جاری رہا جو بالآخر اس خونی حادثہ پر اختتام پذیر ہوا جس نے حافظ صاحب کو ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔

دوسرے بھائیوں کی نسبت میرا حافظ صاحب سے خصوصی تعلق تھا۔ دوسرے بھائیوں نے الگ الگ رہائش اختیار کر لی تھی مگر

ہم دونوں بھائی اکٹھے ہی رہے۔ ذہنی طور پر ہم ایک دوسرے کے زیادہ قریب تھے۔ خاص طور پر شعر و ادب کے حوالے سے بھی ہم میں ایک قدر مشترک تھی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک ان کی تمام زندگی میرے سامنے ہے اور میں نے دیانت داری سے ان کی زندگی کے ہر پہلو پر ناقدانہ نظر دوڑائی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان کا ایک جسمانی قد کاٹھ ہوتا ہے اور ایک معنوی یا روحانی قد کاٹھ۔ ان دونوں کا موازنہ بسا اوقات بہت دل چسپی کا باعث ہوتا ہے۔ اس بات کو ایک دوسرے انداز میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کامیاب انسان وہی ہے جو عمر کے لحاظ سے اپنی حیثیت منوالے۔ بزرگ ہے تو چھوٹوں سے احترام کروالے۔ چھوٹا ہے تو بڑوں کی شفقت حاصل کر لے۔ ایسا شخص اپنے قد کے برابر ہوتا ہے۔ مگر اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جو جوانی میں بچوں نو جوانوں کا تو ذکر ہی کیا بزرگوں، بوڑھوں تک کا احترام حاصل کر لے۔ ایسا شخص اپنے قد سے یقیناً بہت اونچا ہوتا ہے۔ میں نے ایسے ایسے بزرگوں کو حافظ صاحب کا احترام کرتے دیکھا کہ حیرت ہوتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ کم از کم چھ بزرگوں نے وصیت کر رکھی تھی کہ ان کی وفات پر حافظ صاحب ان کی نماز جنازہ پڑھائیں، یہ الگ بات ہے کہ ان بزرگوں کو حافظ صاحب کی نماز جنازہ ادا کرنا پڑی۔ میں نے بڑے بڑے سفید ریش بزرگوں کو حافظ صاحب کی ذات پر تبصرہ کرتے ہوئے سنا کہ جس نے نو جوان ولی کی زیارت کرنی ہو وہ حافظ نعیم الحق رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لے، اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ میں نے بچپن سے لے کر جوانی تک ان کا کوئی فعل بھی خلاف شرع نہیں پایا۔ آخری عمر یا بڑھاپے میں اکثر لوگ توبہ تاب ہو کر آخرت کی فکر شروع کر دیتے ہیں مگر اوائل عمری سے مکمل شرعی زندگی گزارنا بڑے ہی مجاہدے کا کام ہے۔ حافظ صاحب ”مکمل صاحب زہد و ورع اور نہایت بلند کردار کے مالک تھے۔ درویش صفت، سادہ طبیعت و سادہ مزاج، پیکر صدق و صفات تھے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔“

امریکی جنگ جمہوریت کے لیے ہے اقتصادی مفاد ثانوی حیثیت رکھتے ہیں

عطا محمد جنجوعہ

ہمارے بعض مسلم دانشوروں کا موقف ہے کہ امریکا کی فوجی مہم کا مقصد معدنی وسائل پر قبضہ ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں میں غربت کی انتہا تھی۔ غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شدت سے نڈھال ہو گئے تو انھوں نے پیٹ پر پتھر باندھ لیے۔ جب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں فتوحات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا تو مال غنیمت کی وجہ سے وہ بہت مال دار ہو گئے۔ سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر پے در پے حملے کیے۔ کامیابی ملنے پر دربار میں سونا، ہیرے، جواہرات کے ڈھیر لگ گئے۔ اس بنا پر مغربی مؤرخین نے مسلم خلفاء کو وحشی و غاصب کہا ہے اور ہندو مؤرخ غزنوی و غوری کو آج بھی لٹیرا کہتے ہیں جب کہ تاریخی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ مسلمانوں نے جہاد کر کے جبر و استبداد کا خاتمہ کیا اور عدل و انصاف کا نظام رائج کیا، جس سے متاثر ہو کر لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا۔

مسلم جرنیلوں اور مجاہدین کو اگرچہ بے پناہ مال غنیمت حاصل کیا لیکن اس کی ثانوی حیثیت تھی۔ امریکا نے افغانستان اور عراق پر قبضہ کیا تو بعض تجزیہ نگاروں نے واضح ثبوت فراہم کیے کہ امریکی حملے کا مقصد جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے معدنی وسائل پر قبضہ ہے۔ اس موقف کی ہم تائید کرتے ہیں کہ جن امریکی کمپنیوں نے جنگی اخراجات کے لیے امریکا کو قرض دیا امریکا نے عراق پر قبضے کے بعد تیل کے ٹھیکے انہی کمپنیوں کو دیے۔ لیکن غور طلب پہلو یہ ہے کہ امریکا یہ مالی مفاد خلیجی ممالک سے بغیر جنگ کے حاصل کر رہا تھا۔ پھر اس کو دنیا کی بدنامی اور اقوام متحدہ کے ضابطوں کی خلاف ورزی کرنے اور نام نہاد جنگ پر بلین ڈالر خرچ کرنے اور فوجیوں کو مرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے جس طرح قرون اولیٰ میں مسلم سپہ

اسی طرح افغانستان اور عراق کی مزاحمتی تحریک میں روزانہ چند امریکی و اتحادی فوجی مر رہے ہیں لیکن امریکا کے عزم میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ وہ اپنے عوام اور فوج کا مورال بلند کرنے کے لیے مرنے والوں کو آزادی و مساوات کا محافظ کہتا ہے۔ امریکی صدر بش نومبر ۲۰۰۳ء میں برطانیہ کے دورے پر گیا۔ تو اُس کی حفاظت کے لیے ہزاروں کی تعداد میں پولیس کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ برطانیہ کی حزب مخالف جماعت نے مظاہرے کا اعلان کیا۔ لاکھوں لوگوں نے بش اور ٹونی بلیر کے خلاف نعرے بازی کی ان کے پتلے بنا کر نذر آتش کیے گئے لیکن دورے کے اختتام پر مشترکہ پریس کانفرنس میں بش نے دو ٹوک الفاظ میں کہا: ”جمہوریت کے لیے دنیا کے کسی حصے میں بھی ہم طاقت کے استعمال سے گریز نہیں کریں گے۔“

عراق میں مرنے والے فوجیوں کے تابوت امریکا پہنچے تو عوام میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ تب صدر بش نے اپنے عوام کے حوصلے بلند کرنے کے لیے کس نظام کی نوید سنائی۔ صدر بش نے کہا: ”امریکا کی دہشت گردی کے خلاف دنیا کو تبدیل کرنے کے لیے عراق سے واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ انھوں نے بتایا عراق میں آئندہ برس جنوری تک انتخابات کرائے جائیں گے۔ جب کہ

اس سے پہلے دسمبر میں عراق کا نیا آئین بن جائے گا۔“

[نوائے وقت، لاہور ۱۵ اپریل ۲۰۰۴ء]

قرونِ اولیٰ کے مسلم حکمران حملہ سے پیشتر مقامی آبادی کو اسلام کی دعوت دیتے۔ بصورتِ دیگر جزیہ کی شرط عائد کرتے اور انکار کی صورت میں حملہ کرتے تھے۔ کامیابی کی صورت میں عدل و انصاف کا نظام رائج کرتے لیکن کسی کو زبردستی مسلمان نہیں کرتے تھے۔ موجودہ دور میں امریکی حکومت جمہوریت کے فروغ کے لیے اسی طرح سرگرم عمل ہے۔ شکستِ روس سے قبل امریکا دنیا کے پسماندہ ممالک کو جمہوری نظام کی ترویج کے لیے اقتصادی امداد فراہم کرتا رہا۔ آزادی اور مساوات کا پرچار کرنے والے مسلم دانش وروں کی حوصلہ افزائی کرتا رہا لیکن طاقت کی پالیسی سے اجتناب کیا۔ جب روس کا شیرازہ منتشر ہو گیا تو امریکا نہ صرف روس بلکہ دنیا کے غیر جمہوری ممالک میں جمہوری نظام کے فروغ کے لیے سرگرم عمل ہو گیا۔ جن حکمرانوں نے سر تسلیم خم کرنے سے پس و پیش کیا امریکا اُن پر چڑھ دوڑا۔ افغانستان اور عراق پر حملہ اس کا بین ثبوت ہے۔ امریکی صدر بوش نے چینی وزیراعظم کو کیوں متنبہ کیا کہ ”وہ چین میں معیشت کے ساتھ ساتھ شخصی اور سیاسی آزادی کو یقینی بنائے۔“ [نوائے وقت ۱۰ دسمبر ۲۰۰۳ء]

چین نے اپنی پارٹی کے کنونشن میں نجی ملکیت کے اختیار دے دیئے۔ ایران کی مجلس نگہبان نے چند اصلاح پسندوں کو قومی انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا تو مغربی ممالک نے انتخابی نتائج کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اقتصادی پابندیاں مزید سخت کر دیں۔

افغانستان میں اسامہ بن لادن کی گرفتاری کا مسئلہ تھا اور عراق میں کیمیائی ہتھیاروں کا فرضی جواز تھا لیکن دیگر عرب ریاستوں میں دباؤ کا کیا بہانہ ہے کہ ”ڈیوس (مانیٹرنگ ڈیسک) امریکی نائب صدر ڈک چینی نے ڈیوس میں عالمی اقتصادی فورم کے اجلاس میں اپنے خطاب میں کہا کہ مشرق وسطیٰ اور اسلامی ممالک میں جمہوریت کو فروغ دے کر دہشت گردی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر سفارت کاری کا عمل ناکام رہا تو امریکا طاقت کے استعمال کا حق محفوظ رکھتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ افغانستان میں آئین کی منظوری نے اور صدام کی گرفتاری نے انھیں پُر امید کیا ہے۔“

[روزنامہ اسلام لاہور ۲۵ جنوری ۲۰۰۴ء]

مذہب اسلام میں نو مسلموں یا اسلام کے لیے دل میں نرم گوشہ

رکھنے والے غیر مسلموں کی تالیفِ قلب کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ بعینہ وہ ممالک جو جمہوری نظام کو قبول کرتے ہیں یا اسے رائج کرنے کا اعلان کریں تو اہل مغرب ان ممالک کی دل کھول کر مدد کرتے ہیں۔

تعب ہے کہ اہل مغرب پسماندہ ممالک کو انارکج کی قلت دود کرنے کے لیے سودی قرض دیتے ہیں لیکن جمہوری تماشہ کرانے پر بغیر اپیل تعاون کرتے ہیں۔

”اقوام متحدہ نے کہا ہے کہ تین ملکوں نے افغانستان میں انتخابات کے لیے ۲۲ ملین ڈالر دینے کی پیش کش کر دی ہے۔“

[روزنامہ دن ۲۳ فروری ۲۰۰۴ء]

”امریکا پاکستان کو جمہوری ادارہ کے استحکام کے لیے ڈیڑھ ارب ڈالر امداد دے گا۔“ [نوائے وقت ۱۰ فروری ۲۰۰۴ء]

قصہ مختصر دنیا کے جن علاقوں میں جمہوریت نہیں امریکا وہاں ہر صورت میں جمہوریت رائج کرنا چاہتا ہے۔ جن ممالک میں جمہوری نظام پہلے سے رائج ہے۔ وہاں ضلعی خود مختار حکومتیں قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ بین الاقوامی اداروں سے سیاسی و اقتصادی معاہدے کرنے میں آزاد ہو جائیں۔ محترم نصرت مرزا صاحب اپنے مقالہ ”دہشت گردی کے خلاف جنگ اور امریکا“ میں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کا منصوبہ بہت سوچا سمجھا ہے۔ ۹۷-۱۹۹۶ء میں امریکا نئے آئی کونس New Icons جن کی آج امریکا کی پالیسی پر گرفت ہے ان میں سے کرد بونیورٹی آف پنسلوانیا کے ایک پروفیسر ڈیٹل ڈیوڈنی ۱۹۹۶ء میں امریکی پالیسی سازوں کو یہ یادداشتیں پیش کر رہے تھے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ دنیا امریکا کی قیادت میں ایک ایسی فیڈریشن بنے جس میں دنیا کی تمام جمہوریتیں اس کی سرپرستی میں آجائیں۔“ [نوائے وقت ۱۰ دسمبر ۲۰۰۳ء]

متحدہ مجلس عمل پاکستان میں پارلیمنٹ کی بالادستی کے لیے سرگرم عمل ہے۔ جب کہ دولت مشترکہ نے بھی پاکستان کی رکنیت کو پارلیمنٹ کی بالا دستی سے مشروط کر رکھا ہے۔ میڈیا میں ایک دوسرے کی مخالفت لیکن سیاسی نظریات میں ہم آہنگی پر تعجب ہے۔



نام نہاد دہشت گردی

محمد سلیم چنیوٹی

مشینری کے افراد ہی ہیں جو ان دھماکوں یا حادثات کا شکار ہوئے۔ ان حادثات میں بعض دیگر افراد بھی ہیں جو عوام میں سے تھے۔ اکثریت حکومتی لوگوں ہی کی ہے۔

کہنے کو یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ سب کچھ موجودہ حکومت کو گرانے کے لیے ہو رہا ہے مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ طاعوت بہ حیثیت قوم مسلم امہ کو دہشت گرد ثابت کرنے اور ان کی ریاستوں کے اندر تہ بازی کرواکے انھیں کمزور کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔

اس وقت مسلم امہ کے جاگنے کا وقت ہے۔ ”او آئی سی اور اسلامی سربراہی“ جیسے بھرپور اجلاسوں کی ضرورت ہے۔ جو صرف ”نشتہ و گفتند ویر خاستند“ پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ صحیح طور پر من حیث الامہ جاگیں۔ امت کے درد کو اپنے ذاتی درد پر ترجیح دیں۔ آج امریکا مسلم امہ کی تفریق سے فائدہ اٹھا کر اپنے کٹھ پتلی ”اسرائیل“ کے لیے گریٹر اسرائیل کی راہ آسان کرتا نظر آ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیلی یہودی مسجد اقصیٰ کی دیواریں اور اس کی بنیادیں کھدائی کر کے مسجد شہید کرنے کے درپے ہیں اور اسے نیست و نابود کر کے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔

امریکی بحری بیڑے بحیرہ عرب میں داخل ہو چکے ہیں۔ خلیج اور برصغیر میں اسلامی ممالک کی نگرانی اس کے لیے آسان ہو چکی ہے۔ پاکستان کے متعلق اس کے بیانات اس طرح آ رہے ہیں کہ گویا پاکستان پر حکمرانی اسی کی ہے۔ بلکہ یہ تو بچ ہی ثابت ہو رہا ہے کہ وزیرستان، وانا اور پاکستانی سرحدوں کی ”حفاظت“ اب امریکا سنبھال چکا ہے۔ اس کا جب جی چاہتا ہے بمباری کر دیتا ہے۔ جتنے افراد کو جی چاہتا ہے پکڑ کر لے جاتا ہے۔ مجال ہے روشن خیال اور سب سے پہلے پاکستان کا سلوگن الا اپنے والے حکمران انھیں کچھ کہہ سکیں یا کوئی جان دار بیان ہی دے سکیں۔ عراق و افغانستان کی حکومتیں امریکی نگرانی میں چل رہی ہیں۔ ان کا سارا کاروبار حکومت امریکی کنٹرول میں ہے۔ وہ عراقی مسلمانوں کو شیعہ دینی کے چکروں میں ڈال کر اپنا معاشی ”دھندا“ خوب چلا رہا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی دوستی پر فخر کا نتیجہ ہے کہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف نچ جنگ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ نہ عالمی امن کہیں دکھائی دے رہا ہے، نہ پاکستان میں ریاستی استحکام ہے۔ مہنگائی درمہنگائی، قتل و دہشت، ڈاکے چوریاں اور قوت خرید جس طرح آپے سے باہر دکھائی

سب سے پہلے پاکستان، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو رائج کرنے کے خواہاں حکم رانوں کی دلچسپیاں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عوام کی فلاح و بہبود، ترقی و خوش حالی اور ایک مضبوط قوم کے طور پر ابھرنا پسند نہیں ہے۔

امن وامان کا مسئلہ اور عام شہری کی زندگی جس طرح تماشہ بنی ہوئی ہے، آئے روز جس تیزی سے حادثات کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، لگتا ہے کہ یہ مسئلہ ہمیں اچھی طرح کھوکھلا کر کے چھوڑے گا اور اگر اسے اس طرح کہا جائے کہ یہ کہیں کا نہیں چھوڑے گا تو شاید زیادہ بہتر ہو۔ ایک بہت بڑا حادثہ ”تجھو تہ ایکسپریس“ کا ہوا۔ اس میں بے شمار پاکستانی ہلاک و زخمی ہوئے۔ کوسٹہ میں دن دھاڑے ایک عدالت کو جس طرح اڑتا دیکھا گیا اور بھاری تعداد میں وکلاء اور جج صاحبان لقمہ اجل بن گئے۔ کراچی و گوجران والا کی بڑے بڑے تجارتی مقامات میں آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے گئے۔ پشاور میں بم دھماکے ہوئے، ڈی جی خان میں بندے بم سے اڑا دئے گئے، چیچہ وطنی اور ملک کے دیگر علاقوں میں جس دیدہ دلیری سے انسانی پر نچے اڑائے گئے کیا یہ سب کچھ ”سب سے پہلے پاکستان“ ہے۔

اس ساری صورت حال کو دیکھ کر سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس جناب افتخار احمد چودھری کو بھی یہ کہنا پڑا کہ ”ججوں کو مالی اور انتظامی خود مختاری دی جائے، جمہوریت اور امن کے لیے آزاد عدلیہ ناگزیر ہے۔ پسند ناپسند کی بنیاد پر ججوں کی تقرریوں کا سلسلہ بند کر کے انھیں مدت ملازمت کا تحفظ دیا جائے، اس بنیاد پر کسی جج کو فارغ نہ کیا جائے کہ اس کا فیصلہ انتظامیہ کے لیے قابل قبول نہیں۔“

[نوائے وقت، لاہور ۱۲ فروری ۲۰۰۷ء]

موجودہ حکم رانوں کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اقتدار ایک آنی جانی شے ہوتی ہے۔ مذکورہ حادثات کو اگر دیکھا جائے تو یہ حکومتی

ہمارے پاکستانی عوام بھی کیسے اہم ہیں کہ جب تیل انھیں مفت میں عرب ممالک سے ملتا تھا تو اس کے نرخ بڑھائے گئے تھے۔ اور اب تیل انھیں شاید مفت میں ہی ملتا ہو لیکن مقدار کم کر دی گئی ہو تو انھوں نے بجلی مہنگی کر دی ہے۔ بجلی کے مہنگے ہونے سے اشیائے خورد و نوش یقیناً بڑھا دی جائیں گی۔ کیا اس سے قبل ان اشیائے خورد و نوش کے نرخ عام شہری کی قوت خرید میں تھے کہ اب نیا پہاڑ ان پر گرا دیا گیا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں ہی خبریں آئی تھیں کہ ایک شہری نے اپنے بچے ہی فروخت کے لیے بازار میں کھڑے کر دیے تھے۔ اب ہم اس حکومت کو کس نام سے یاد کریں۔ بقول مظفر وارثی

تخریب کی رسائی کی حد میں ہے پاکستان
استعماری قوتوں کی زد میں ہے پاکستان
حادثوں پر حادثہ یقیناً جہی تو ہوتا ہے
برے لوگوں کی نظروں میں شاید ہے پاکستان
○○.....✻✻✻.....○○

دے رہے ہیں۔ ایک عام شہری جس طرح ڈھنی کوفت میں مبتلا کر دیا گیا ہے وہاں حکمرانوں کو اگر کٹھ پتلی کے علاوہ انھیں اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ دہشت گردی کا جن جس طرح پاکستانی سرحدوں میں دندنا رہا ہے کہ حکمرانوں کی سمجھ میں بھی کچھ نہیں رہا کہ اب پنجاب کے وزیر اعلیٰ کا بیان بھی ملاحظہ فرمائیں اور حکومتی گرفت کا نظارہ کریں کہ وہ فرما رہے ہیں:

”عوام دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لیے حکومت کا بھرپور ساتھ دیں۔“

[پرویز الہی، وزیر اعلیٰ پنجاب، نوائے وقت ۸ فروری]

اُدھر ہمارے چیف جسٹس صاحب کا فرمانا ہے کہ ”ہر شہری کو تحفظ فراہم کرنا ریاست کی آئینی ذمہ داری ہے“ چیف جسٹس صاحب ہی نہیں یہ تو سب ہی کہتے ہیں کہ شہریوں کو تحفظ فراہم کرنا حکومتی ذمہ داری ہے۔ مگر موجودہ حکومت نے تو آئین ہی معطل کیا ہوا ہے۔ اور جب اس نے اپنی مرضی کا کوئی کام کرنا ہو روشن خیالی کو پروان چڑھانا اور امریکی آشیر باد حاصل کرنی ہو تو وہ آرڈی نینسوں کے سہارے اپنی آرزو پوری کر لیتی ہے۔

خطبات جمعۃ المبارک

مرکزی جامع مسجد محمدی اہل حدیث کوٹ رادھا کشن قصور مندرجہ ذیل علمائے کرام خطبات جمعہ ارشاد فرمائیں گے۔

۲ مارچ ۲۰۰۷ء پروفیسر حافظ محمد ایوب صاحب (انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور) ۹ مارچ ۲۰۰۷ء مولانا قاری محمد ابراہیم کاظم، قصور

۱۶ مارچ ۲۰۰۷ء حافظ عبدالوحید روپڑی صاحب، لاہور

۲۳ مارچ ۲۰۰۷ء مولانا محمد ادیس ثاقب صاحب، گندھیاں اوتاڑ، قصور ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء منظر اسلام حافظ عبدالوہاب روپڑی صاحب

۶ اپریل ۲۰۰۷ء حافظ حسن محمود کیرپوری صاحب، پٹوکی

[حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی و انتظامیہ مسجد ہذا]

دعائے صحت

والد گرامی (حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب) کا گزشتہ دنوں ٹانگ اور بازو کا آپریشن ہوا ہے اور والد صاحب لاہور ہسپتال سے گھر (کوٹ رادھا کشن) میں منتقل ہو چکے ہیں۔ احباب گرامی بحالی صحت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ [حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی و انتظامیہ مسجد ہذا]

275261 فون: 51538

اعلیٰ معیاری ضمانت

اعلیٰ کوالٹی پائیداری میں بے مثال
زیانت اور زیبائش میں لا جواب

سٹیژن

پکھے موٹریں
اور
واشنگ مشینیں

تیار کردہ: سٹیژن الیکٹریکل انڈسٹریز رجسٹرڈ، جی بی روڈ، جہانوالہ

بہاروں میں نہاں روزِ خزاں ہے

حسین دنیا ہے اور دل ناتواں ہے الہی! کتنا مشکل امتحاں ہے
 درخشاں جس سے تاریخِ جہاں ہے شہیدانِ وفا کی داستاں ہے
 خطاؤں پر عطاؤں کی نوازش مرا اللہ کتنا مہرباں ہے
 جو غرقِ فکرِ بحرِ آخرت ہیں گناہوں کی انھیں فرصت کہاں ہے
 گیا بچپن ہوئی رخصت جوانی اب اس کے بعد کیا ہوگا؟ عیاں ہے
 ہے بالوں سے ہویدا صبحِ پیری مگر تیری ہوس اب بھی جواں ہے
 چڑھا اور ڈھل گیا سورج مگر تو ابھی تک کشتہٗ خوابِ گراں ہے
 ہمیشہ سرنگوں دیکھا ہے اُس کو مالِ معصیت جس پر عیاں ہے
 خدا کی یاد سے غافل جو گزرا وہ لمحہ لمحہ تیرا رانگاں ہے
 ہے جس کے پاس زادِ راہِ عقبی بشر خوش بخت ہے وہ کامراں ہے

بہاروں سے نہ ہو مانوس عاجز

بہاروں میں نہاں دورِ خزاں ہے